إن الله لطيف خبير

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

ویلور

دار العلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور

۷۸۶

بسمہٖ عزوجل

سالنامہ

اللطیفہ

ویلور

زیرِ ظلِ حمایت
و
سرپرستی

شیخ المشائخ اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری دامت برکاتہم

سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور

مدیر مؤسس:

حضرت اقدس مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ

سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ

تاریخِ اجراء

بموقعۂ جلسۂ تقسیم اسناد بروز جمعرات ۱۰ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۰ھ ۸ر مارچ سنہ ۱۹۹۰ء

مطبوعہ الیکٹرک قومی پریس لبے مسجد سٹریٹ بنگلور ۱

زیرِ نگرانی

مولانا مولوی سید شاہ عثمان پاشاہ صاحب قادری عرف فصیح پاشاہ بی کام (عثمانیہ)

ادیب فاضل (مدراس) ناظم دارالعلوم لطیفیہ

مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری عرف ہلال پاشاہ صاحب

نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ

زیرِ ادارت :-

مولانا مولوی پی محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی قادری۔ مدرس دارالعلوم لطیفیہ

مولانا مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی ادہونی۔ استاذ دارالعلوم لطیفیہ

نمائندگان طلبا :

(۱) مولوی حافظ عبداللہ خان بابٹ لا (آندھرا) متعلم زمرۂ مولوی عالم

(۲) پی محی الدین پاشاہ بی کوتہ کوٹہ (آندھرا) متعلم جماعت ششم

(۳) حافظ محمد یعقوب مدراس متعلم شعبۂ حفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۱۰ سنہ ع

نظم

از قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین سراج العارفین
حضرت مولینا رکن الدین محمد سیّد شاہ ابوالحسن قربی
قادری ویلوری علیہ الرحمہ

پیش کش:- مولینا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری عرف ہلال پاشاہ صاحب
نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

خم وحدت سوں پی مدام شراب ۔۔۔ اس کے نشہ میں بوج جگ کو سراب
جب ہے تاخیر میں بہوت آفات ۔۔۔ جرعہ نوشی میں نہ کی کر تو شتاب
مَے کے پینے سے مت کرو پرہیز ۔۔۔ اتقوا اللہ یا اولی الالباب
ہر ذرہ وجہ ذات ہے بے شک ۔۔۔ عاشقاں کے رموز کو دریاب
بحرِ وحدت کے خلق ہیں ذکر اللہ ۔۔۔ جو کہ کرتا ہے نالہ تارِ رباب
لا عمل میں جو عاشقاں بولے ۔۔۔ طرق العشق کلّھا آداب
بولنے کو ترانۂ توحید ۔۔۔ تن ہی طنبور ہے زباں مضراب
کر سب اسبابِ عشق آمادہ ۔۔۔ کر تو تاراج زہد کے اسباب
حال کا نفع ہات میں لانے ۔۔۔ بوج قالِ صحیح اصل نصاب
علم ظاہر ہے پوست کے مانند ۔۔۔ علم باللہ جان لبِّ لباب

نہ کی قربی نماز کرنے کوں
اوپری یاد دل کا ہے محراب

حکیم الشعراء حضرت امجد حیدر آبادی

کا آخری غیر مطبوعہ کلام

تُو اور وہ کہاں توبہ
تیرے گھر وہ کس طرح آئے
اتنا بھی نہ یاد کر امجد
کہیں ہچکی اسے نہ لگ جائے

ہم باقی ہیں سب ہے فانی، اللہ اللہ
ہے کون ہمارا ثانی، اللہ اللہ
رحمت سے ہماری نا اُمیدی توبہ
اللہ سے یہ بدگمانی اللہ اللہ

ہزاروں بار دُنیا میں بہار آئے مگر بھی
ہمارا غنچۂ خاطر نہیں کھلتا، نہیں کھلتا
ہزار اپنی طرف سے کوشش کرتے رہو لیکن
مقدر سے زیادہ وقت سے پہلے نہیں ملتا

مرسلہ
ڈاکٹر محمد فضل اقبال
ایم اے، پی ایچ ڈی
(عثمانیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

ادارہ

تاریخ خود کو دہراتی رہتی ہے۔ اس مقولہ کی جیتی جاگتی تصویر اس وقت ایک بار پھر ہمارے سامنے آچکی ہے کہ موجودہ دور میں ہندوستانی مسلمان مختلف اور گوناگوں مسائل میں گھر چکے ہیں اور ان مسائل کا ایک سرا سلطنت و حکومت سے ملا ہوا ہے تو دوسرا اندرونی اور باہمی معاملات سے جڑا ہے۔ ان حالات میں علماء و فضلاء اور زعماء و قائدین کا کیا کردار اور عمل ہونا چاہیئے اسکے لئے مجدد جنوب حضرت قطب ویلورؒ کے اصلاحی و تجدیدی اور دعوتی کارنامہ سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ کے عہد میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا گیا تھا اور انگریزوں کے خلاف سخت نفرت و حقارت اور دشمنی و عداوت کی فضا پھیلی ہوئی تھی اور ان کی زبان و تہذیب اور علم و فن سے بھی کنارہ کشی اور نفرت کا اظہار کیا جارہا تھا۔ اس ماحول میں حضرت قطب ویلورؒ نے جنوبی ہند کے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف دشمنی و عداوت کے جذبات کو ہوا نہیں دی اور ان کی زبان اور علوم و فنون سے متعلق کنارہ کشی کا رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ زمانہ شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے خود انگریزی زبان و ادب پر عبور حاصل کیا اور اسی میں ملکۂ برطانیہ انگریز حکام اور عیسائی قوم کو اسلام کی دعوت دی چنانچہ مولینا حکیم سید عبد الحی لکھنوی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو اپنی مشہور عربی تصنیف "نزہۃ الخواطر" میں حضرت قطب ویلور کی سیرت و سوانح میں لکھتے ہیں۔ وهو تلقى اللغة الانكليزية في كبر سنه و بعث برسالة في تلك اللغة الى ملكة انكلترا يدعوها الى الاسلام۔

حکمران طبقہ اور انگریزوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی اس سعیٔ محمود کے ساتھ ساتھ آپ نے ہندوستان کے راجاؤں اور قائدانہ کردار کی مالک بڑی بڑی غیر مسلم شخصیتوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ اپنے ایک شاگرد رشید و خلیفۂ خاص مولینا شاہ عبد اللہ قادری کے نام تحریر کردہ فارسی مکتوب میں لکھتے ہیں۔

دعوت اسلام کے رقعے دو قسم کے بھیج رہا

ہوں، راجاؤں کے نام اور تمام کفار و مشرکین کو خالی جگہ میں الی الامیر ابی الامیر یا الی الامیر الکبیر راجہ صاحب فلاں موضع لکھتے ہوئے ان دعوت ناموں کو چھاپ کر یا کتابت کر کے کمال نرمی و آشتی حسنِ اخلاق اور عزت و احترام کے ساتھ کسی صاحب بصیرت اور لائق و نمائندہ آدمی کے ذریعہ روانہ کریں اور اسی طرح دعوت و اصلاح اور تزکیہ و تطہیر میں مشغول رہیں۔ دراصل یہی کام اصل ہے۔ باقی سب ہیچ ہے۔

حضرت قطب ویلورؒ نے ہندی اور علاقائی زبانوں مثلاً تلگو، تمل، ملیالم، مرہٹی وغیرہ میں توحید و رسالت اور نجات اور اسلام کی صداقت و حقانیت اور اس کی انسانیت نوازی و امن پسندی پر مشتمل دعوت ناموں کو تحریر کروا کے اپنے خلفاء کے ذریعہ اطراف و اکناف میں روانہ فرمایا تاکہ دعوت کی راہ سے یہ عظیم تاریخی حقیقت ہندوستان میں بھی ایک بار جلوہ گر ہو سکے پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے۔

حضرت قطب ویلور کے دور میں مسلمانوں کی اندرونی اور داخلی زندگی کا ماحول یہ تھا کہ عوام باوجود قلت علم کے علماء و فقہاء کے علم میں دخل انداز ہونے لگے اور بے علم آدمی بھی قرآن و حدیث سے احکام استخراج کرنے کا دعویٰ دار ہونے لگا اور ہر طرف فقہائے کرام کے اجتہاد پر طعن و تشنیع ہونے لگی

اور بہتر بدعتی فرقوں کے مانند بزرگان عالی مقام کی تضلیل و تکفیر کی وبا عام ہونے لگی اور آئمہ اربعہ کی تقلید کو تنگ نظری اور کوتاہ بینی قرار دیا جانے لگا اور اہلِ سنت و جماعت کے فروعی اور جزوی اختلافات کو کفر و ایمان کا اختلاف تصور کیا جانے لگا اور صالحین و اہل اللہ پر لعن و طعن اور بزرگانِ سلف کے ساتھ سوئظن و بے ادبی اور صوفیائے کرام کی تعلیمات و ارشادات کے رد و انکار کا مرض بڑھنے لگا اور ہر طرف افراط و تفریط غلو و تعصب تضلیل و تکفیر، اختلاف و تفرقہ اور دین میں جنگ و جدال کی فضا عام ہونے لگی تو اس خطرناک اور ھلاکت خیز صورت حال کا مشاہدہ کرتے ہوئے حضرت قطب ویلور نے یہ آواز بلند کی۔

عوام کا حق صرف یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور اطاعت کریں اور اپنی عبادات اور اپنی معاش و روزگار میں مشغول رہیں اور علم کو علماء کے لئے چھوڑ دیں جو شخص دین کے بارے میں اتقانِ علم کے بغیر گفتگو کرے تو وہ انجانے طور پر کفر میں مبتلا ہو جائے گا۔

ایک عامی شخص کو آئمہ اربعہ (حنفی، مالکی شافعی، حنبلی مسلک) میں سے کسی ایک امام کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس واقعہ سے عبرت لینی چاہئے کہ علماء مشائخ کے اکابر ابو نصر بخارائی اور شیخ

بوعلی بن سینا نے آئمہ اربعہ کی تقلید چھوڑ دی تو گمراہی وضلالت کی وادی میں بھٹک گئے آئمہ اربعہ کی تقلید ترک کر دینے سے جب ان حکماء اور عقلاء کی یہ حالت ہوئی تو دوسرے عامیوں کی حالت کیا ہو سکتی ہے۔ اسی سے یہ اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر ہر کس و ناکس کتاب اللہ اور سنتِ رسول ؐ سے احکام اخذ کرنا شروع کردے تو ہزاروں باطل مذاہب پیدا ہو جائیں گے۔

جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک حق مذاہب اربعہ میں دائر ہے لہذا ان چار مذاہب کو مبنی بر حق تصور کریں اور اہلِ سنت وجماعت کے اختلافات خواہ وہ ظاہر شریعت کے مسائل میں ہوں یا باطن شریعت کے مسائل میں ہوں۔ اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے اختلافات کی طرح یا سنی و رافضی یا سنی و خارجی کے اختلافات کی طرح نہیں ہیں کہ جانبین سے ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیں بلکہ حق آئمہ اربعہ کے اختلافات میں دائر ہے اور اگر کسی ایک امام کی دلیل راجح ہو تو دوسرے امام کے مذہب کو غلط تصور نہیں کرنا چاہیئے۔

اور کسی بھی مختلف فیہ مسئلہ کے اندر ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کر لینا اور اسی کو اہمیت اور ترجیح دینا اور اس میں غلو سے کام لینا غیر مناسب طریقہ ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن اور نکتہ چینی سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ دوسرے مسلک کے علماء بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوں گے اگرچہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور اختلافی مسائل بلکہ سارے کاموں میں توقف و احتیاط اختیار کرنا پسندیدہ بات ہے اور افراط و تفریط اور غلو و تعصب تمام جگہوں میں ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔

ایک دوسرے کو کافر کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ جو شخص کسی دوسرے آدمی کو کافر کہے اور اگر وہ واقع اور نفس الامر میں کافر نہ ہو تو کافر کہنے والا ہی کافر ہو جائے گا۔ تکفیر کے مسئلہ میں کفر کے ننانوے احتمال ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کا موجود ہو تو اس نفی والے احتمال کو اختیار کرتے ہوئے ایک مسلمان کو کافر قرار دینے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

اور اہلِ سنت وجماعت کو کسی نا مشروع فعل کے ارتکاب کی وجہ سے بدعتی نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ ان الفاظ کا اطلاق بہتر فرقوں پر ہوتا ہے جو صریحاً بدعت ضلالت کا رکھتے ہیں۔

اجتہاد علماء فقہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ حضرات صوفیہ بھی اجتہاد میں فقہاء کے ساتھ شریک ہیں چنانچہ اس طائفہ کے بھی خاص طریقے آداب اصطلاحات اور مستحسنات ہیں جیسے خانقاہوں کی تعمیر، الباس خرقہ، اجرائے سلاسل، کیفیات ستندکم

خلوت گزینی اور اجتماع سماع وغیرہ اور علماء، فقہ کی طرح ان امور کے اندر صوفیہ کے بھی اجتہادات اور استنباطات ہیں اور یہ بھی ابواب علم کی ایک قسم ہے۔

صوفیاء کو اہل اللہ کے علوم و معارف کا انکار کرنے والا اور ان پر طعن و تشنیع کرنے والا شخص اپنے آخری وقت میں سوء خاتمہ سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہے اور بزرگان کرام و سلف صالحین کے ساتھ بغض و عداوت رکھنا وبال اور نکبت کی علامت اور نفاق و بدبختی کی نشانی ہے۔

دین و اسلام کے مذاہب میں جنگ و جدال کرنا اور بات چیت میں ردوکد اور انکار و جھگڑا جائز نہیں ہے اور یہ بھی لڑائی جھگڑا ہے کہ کوئی شخص بات چیت کرے تو تم اسکے کلام میں غلطی پکڑنے کے درپے ہو جاؤ اور اسکے خلل اور خطاء کو نمایاں کرنے میں لگ جاؤ۔ اس قسم کی چیزوں میں لوگوں کی خطاؤں کا اظہار اور ان کی غلطیوں کی تشہیر کوئی فرض نہیں ہے بلکہ اسکے برعکس خاموشی اور سکوت ایمان کی نشانی ہے۔ ہاں! خیر خواہی اور نصیحت کے خیال سے تنہائی میں حق بات کی وضاحت، کمال نرمی و آشتی کے ساتھ کی جائے۔ اور تمام سلف صالحین نے جنگ و جدال اور خصومت سے منع کیا البتہ کوئی بدعتی شخص ہے تو انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی ہے لیکن جیسے ہی یہ محسوس کیا کہ ان کی گفتگو اور افہام و تفہیم بے سود ہے تو انہوں نے اعراض کیا اور سکوت کو ترجیح دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اُمت اس وقت تک گمراہی و ضلالت میں مبتلا نہیں ہوئی جب تک کہ اسکے اوپر زدوکوب اور جنگ و جدال کا غلبہ نہیں ہوا۔

حاصل کلام! ہم نے حضرت قطب ویلوری کے دعوتی و اصلاحی کام کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ قارئین کرام ان سطور کے مطالعہ کے بعد یہ محسوس کرنے لگیں کہ عصر حاضر میں ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ایک مفید و معتدل موقف و مسلک ہے جو تقلید کے لائق اور پیروی کے قابل ہے۔

وما علینا الا البلاغ

روئداد

از: — ادارہ

ملتِ اسلامیہ کی سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ اُسے لادینی ماحول اور غیر اسلامی نظامِ تعلیم کے اثرات سے محفوظ رکھیں۔ الحمدللہ دارالعلوم لطیفیہ موجودہ زمانہ میں وقت کی اس اہم ضرورت سے غافل نہیں ہے، اور اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ دین وملت کی خدمت انجام دیتے ہوئے صحیح عقائد اور صالح نظریات قوم تک پہنچا رہا ہے۔ دارالعلوم لطیفیہ جنوبی ہند کی ایک قدیم ترین درسگاہ ہے۔ اسی دانشکدہ سے حضرت قربیؒ حضرت ذوقیؒ حضرت محویؒ حضرت نقوی رحمہم اللہ جیسے عالم وفاضل اور ادیب وفقیہہ پیدا ہوئے یہی وہ گنجینۂ علم وعرفان ہے جہاں حضرتِ قطبِ ویلور جیسی جلیل القدر اور بے باک شخصیت جنم لی، جس نے جابر برطانوی حکومت کی مطلق پروا نہ کی، بدعات کے خلاف جہاد کیا اور اشاعتِ علم ودین کو باوجود ہزار مخالفت کے برابر جاری رکھا۔

آغازِ سالِ نو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ بحمداللہ مورخہ ۱۲ر شوال المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸ر ماہ مئی ۱۹۸۹ء بروز پنجشنبہ ہوا۔

دورۂ حدیث خانقاہِ عالیہ قطبیہ میں صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کی دعاؤں سے مورخہ ۲۴ر شوال المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵ر ماہ جون بروز پنجشنبہ ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ نیز مورخہ ۲۵ر رجب المرجب ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۶ر فروری ۱۹۹۰ء کو بروز دوشنبہ اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس اس سال انجمن

دائرۃ المعارف کے سالانہ افتتاحی جلسہ کے موقعہ پر عالیجناب الحاج مولینا مولوی سید شاہ ابوالسعید عبدالجبار قادری باقوی صاحب مدظلہ العالی سابق ناظم دارالعلوم باقیات الصالحات ویلور کو مدعو کیا گیا۔ یہ وہی موقعہ ہے جس میں مختلف مقامات کی قابل علم دوست شخصیتوں کو مدعو کرکے ان کے خیالات وافکار سے اپنے طلبۃ العلوم کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر مولانائے موصوف نے انوکھے انداز میں جامع طور پر طلبۃ العلوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "عزیز طلبۃ العلوم! یہ ایک عجیب کشمکش کا دور ہے جہاں مادیت، اشتراکیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ ہے، کالج اور یونیورسٹی کے فارغین پر مغربی تہذیب سوار ہے آپ کا مقام بلند ہے، آپ اپنے لئے اور دنیا والوں کے لئے نئے افق پیدا کرسکتے ہیں اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے اور سنوارنے کی کوشش کیجئے، نیز مختلف نصیحتوں اور لطیفوں سے آپ نے حاضرین اور طلبۃ العلوم کو محظوظ فرمایا۔

بعدازاں صدر جلسہ عالیجناب مولینا سید شاہ عثمان پاشاہ صاحب عرف سید فصیح پاشاہ قادری ایم اے ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور نے طلبہ اور اہل جلسہ سے خطاب فرمایا، کہ پاکیزہ زندگیوں کو ترتیب دینے والے ان قدسی صفات بزرگوں کے کارنامے زندۂ جاوید ہیں جن کے بنائے گئے لائحہ عمل پر اپنے مستقبل کو ڈھالیں اور آنے والی نسل کو اس پر عمل کرائیں۔ اس کے بعد صدر موصوف نے مہمانِ خصوصی اور اہل جلسہ کا شکریہ ادا فرمایا۔

انجمن کے مخصوص جلسے

۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۰ھ بروز یکشنبہ جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا گیا۔ نیز گیارہ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۱ رماہ نومبر سنہ ۱۹۸۹ء روز شنبہ کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات پر تقاریر ہوئیں، جسکی صدارت عالیجناب مولینا سید شاہ عثمان پاشاہ صاحب قادری ایم اے، ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے فرمائی، جس میں طلبائے عزیز و اساتذہ کرام اور حضرت ناظم مدظلہ نے اپنی بصیرت افروز تقاریر سے بارگاہِ غوثیت رضی اللہ عنہ میں نذرانۂ عقیدت پیش فرمایا۔

دارالتصنیف والاشاعۃ

حسب عادت اس سال بھی شعبۂ ہذا سے شائع ہونے والے سالنامہ اللطیف میں کئی ایک تراجم منظرِ عام پر آرہے ہیں۔

حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی تصنیف انیف فصل الخطاب بین الخطاء والصواب کے چند فوائد کا ترجمہ اور آپ ہی کے مکتوبات مع ترجمہ شائع ہورہے ہیں، نیز حضرت شاہ حیدر ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف خوارق پر مشتمل خوارقِ حیدریہ کے چند

خوش قسمتی مع ترجمہ پیش کئے جارہے ہیں۔

اسبابِ صحت اوقاتِ تعلیم کے بعد عصر و مغرب کے درمیان طلبۂ العلوم کو کھیل کود کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ طلباء اپنی خواہش کے مطابق مختلف کھیل مثلاً والی بال، بیڈ منٹن، ٹنی کائٹ، وغیرہ کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں، جس سے طلباء کی دماغی تھکن و سستی دور ہوتی ہے اور یہ چیز صحت و تندرستی کے لئے بہت ضروری ہے۔

نوید مسرت امسال یونیورسٹی کے امتحانات میں اکثر طلباء شریک رہے۔ بحمداللہ انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

امتحانات مورخہ ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۳ ماہ اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز دوشنبہ ششماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی زیرِ نگرانی اور ۲۷ رجب المرجب سنہ ۱۴۱۰ھ سے دارالعلوم کے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور ایک ہفتہ تک جاری رہے۔

عبا پوشی اور اعطائے اسناد فضیلت یاب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے زیرِ صدارت ۱۰ شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۰ھ بروز شنبہ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس بوسیع پیمانے پر منعقد ہوا، جس میں مقتدر علمائے کرام اور قابل ترین حضرات مدعو تھے، نیز اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی نے اپنے دستِ فیض اقدس سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیمِ انعامات اسی دن شام میں ایک دوسری نشست منعقد ہوئی، جس میں درسیات، مقالہ نویسی، مقابلۂ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔ نیز عہدیداروں کو ان کی خدمات کے صلے میں مختلف انعامات دیئے گئے۔

ھدیۂ تشکر ادارہ، ان تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا مشکور ہے کہ جنھوں نے وقتاً فوقتاً طلبہ کی صحت کا بھرپور خیال رکھتے ہوئے، تشخیص فرمایا اور مدیرانِ اخبارات کا بھی تہہِ دل سے مشکور ہے جو دارالعلوم کی تمام کارروائیوں کو اپنے اولین وقت میں شائع کرتے رہے، نیز ادارہ عالیجناب مولینا مولوی کے، یم، عبدالمتین صاحب مالکِ قومی پریس بنگلور کا مشکور و ممنون ہے جنھوں نے اپنی پیرانہ سالی و ضعف کے باوجود سالنامۂ اللطیف کو حُسنِ کتابت و جمیلِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ فرمایا۔

ہم بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہم کو اور ان سب کو جو دارالعلوم سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں سعادتِ دارین سے بہرہ ور فرمائے، آمین بجاہِ سید المرسلین۔

جواہر القرآن

از مولوی حافظ

ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری

ادہونی

استاذ دار العلوم اللطیفیہ حضرت مکان ویلور

زیر نظر مضمون میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی، عیسائیت، عیسائیوں کے عقائد و افکار وغیرہ سے متعلق قرآنی تصریحات اور توضیحات کا ایک جائزہ اور مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ابو النعمان قادری غفرلہٗ

نبوت ایک ایسی عظیم ترین نعمتِ خداوندی ہے جسکے حصول میں کسی انسان کی جد و جہد، کسب و ریاضت خواہش و تمنا اور دعا و مناجات کا کوئی حصہ نہیں اور یہ انعام و اکرام اور اعزاز تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و عنایت ہی پر منحصر ہے اور اللہ تعالیٰ جس شخص کو چاہیں اس جلیل القدر اور مہتم بالشان منصب پر فائز فرماتے ہیں چنانچہ آخری صحیفۂ سماوی نے اسکی تصریح ان الفاظ میں کی ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام)

نبوت کا سلسلہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات پر مکمل اور منتہی ہوا۔ انسانی تاریخ کے اس طویل دور میں قریبًا ایک لاکھ چوبیس ہزار اشخاص شرف نبوت سے مستفیض ہوئے جن میں سے بعض حضرات کرام کا اجمالی اور بعض کا تفصیلی تذکرہ قرآنِ کریم میں موجود ہے اور بعض کے تعلق سے عدم صراحت کا تذکرہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْہُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْہُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (المؤمن) آپ سے پہلے ہم نے بہت رسول بھیجے ہیں۔ اُن میں سے بعض وہ ہیں کہ انکا حال ہم نے سنایا اور بعض وہ ہیں کہ نہیں سنایا۔

ایک دوسرے مقام پر اسی طرح کا ارشاد ان الفاظ میں موجود ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰہُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْہُمْ عَلَیْکَ

(النساء)

مذکورہ تصریح کے علاوہ قرآنِ کریم میں بعض حضرات انبیاء کے اسمائے مبارکہ کے ساتھ انکے آباء و اجداد، اولاد اور بھائی بندوں کو عطا کی جانے والی نبوت و رسالت اور نعمت و فضیلت کا تذکرہ ہے۔ یہ تفصیل بھی افادیت سے خالی نہیں۔ فرمانِ ربانی ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ - وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ - وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ - وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ - وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ - (الانعام)

یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے۔ بڑا علم والا ہے، اور ہم نے ابراہیم کو عطا کئے اسحٰق اور یعقوب۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور ابراہیم سے پہلے نوح کو بھی ہم راہ راست دکھا چکے ہیں۔

اور ابراھیم کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو بھی یہی راہ راست دکھائی۔ ہم اسی طرح نیک کرداروں کو ان کی نیک کرداری کا بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، اور الیاس کو کہ یہ سب صالح انسانوں میں سے تھے اور نیز اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط کہ ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی۔

اور ان کے آباء اجداد، اور ان کی نسل اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو ہم نے اسی راہ ھدایت چلایا۔ ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا تھا اور ان پر فلاح و سعادت کی سیدھی راہ کھول دی تھی!

نبوت کے منصب جلیل اور مقام رفیع پر متمکن ہونے والے ان مقدس ترین و بزرگ ترین اور معصوم انسانوں میں سے ایک۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں جنکا ظہور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ سے چھ سو سال قبل ہوا۔ اور آپ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے معاصر تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ

الیشع آپس میں رشتہ کی بہنیں تھیں۔ آپ کی نانی صاحبہ بیگم عمران جنکا اسم گرامی مسیحی روایات میں حَنّہ آیا ہے۔ ان کی ایک نذر نیاز اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کی ولادت پرورش کی کفالت اور کرامت و خرق عادت امر کے ظہور وغیرہ سے متعلق قرآنِ کریم میں درج ذیل تفصیلات موجود ہیں۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ج وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ج كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (آل عمران)

اور وہ وقت یاد کرو جب عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے تیری نذر مانی ہے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائیگا۔ (ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت و عبادت کے لئے موقوف رہے گا۔) لہٰذا تو یہ مجھ سے قبول کر تو تو میری دعاؤں کا خوب سننے والا ہے میرے اخلاص کا خوب جاننے والا ہے۔

پھر جب اس نے مریم کو جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار میں تو لڑکی جنی (اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی۔ لڑکی سے کیسے یہ نذر پوری ہوسکتی ہے؟)

اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ (مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و منزلت سے تو خدائے تعالیٰ ہی خوب واقف تھا۔ اس نو مولود سے جو جو عظمتیں وابستہ تھیں ان کی خبر ماں غریب کو کیا ہوسکتی تھی۔ ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔) اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اُسے اور اسکی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پھر اسکے پروردگار نے اسکو بوجہ احسن قبول کیا (یعنی والدۂ مریم کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کر لیا۔ اور یہ خدمت ہیکل کی ساری تاریخ میں ایک نئی بات تھی) اور اس کو اچھا نشو و نما دیا (یہ اچھا نشو و نما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہو اور ممکن ہے قوائے روحانی و اخلاقی کے اعتبار سے ہو یہ ممکن ہے کہ دونوں حیثیت سے ہو) اور

اسکا سرپرست حضرت زکریاؑ کو بنادیا۔

جب کبھی حضرت زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے پینے کی پاتے۔ اس پر وہ حیرت کرتے ہوئے بولے کہ مریم! یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجاتی ہیں۔ (براہ راست اور بلا کسی واسطۂ ظاہری کے) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (تفسیر ماجدی جلد اول)

حضرت مریم کے والد ماجد حضرت عمران کو بیت المقدس کی نگرانی اور اسکے خدام و کارکنان پر سرداری کا شرف حاصل تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے ہم زلف حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ منصب حاصل ہوا۔ حضرت مریم ابھی شیر خوار بچی ہی تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو ان کی پرورش و پرداخت کا مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ اب کون ان کی کفالت کرے۔ اس پر بیت المقدس کے ذمہ دار افراد کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ حضرت ذکریا علیہ السلام کے نام پڑا قرعہ اندازی کے تعلق سے قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ

(آل عمران)

اے نبی محترم یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسکی ہم آپ پر وحی کر رہے ہیں ورنہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ اس وقت ان لوگوں کے درمیان موجود نہ تھے جب (مریم کی ماں مریم کو لے کر بیت المقدس میں آئی تھیں، اور بیت المقدس کے مجاور) اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ (قرعہ ڈال کر فیصلہ کریں) کون مریم کا کفیل ہو اور (یقیناً) آپ اس وقت بھی موجود نہ تھے۔ جب وہ (مریم کی کفالت کے لئے) آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ (ترجمان القرآن)

اس آیت کے تحت صاحب معارف القرآن نے قرعہ اندازی کے مسئلہ کی صحت و عدم صحت سے متعلق جو روشنی ڈالی ہے وہ بڑی مفید ہے۔ فرماتے ہیں۔

شریعت محمدیہؐ میں حنفیہ کے مسلک پر قرعہ کا یہ حکم ہے کہ جن حقوق کے اسباب شرع میں معلوم و متعین ہیں ان میں قرعہ ناجائز و داخل قمار ہے مثلاً شئی مشترک کے ہیں جس کا نام نکل آئے وہ سب لے لے۔ جس بچہ کی نسب میں اختلاف ہو، اس میں جسکا نام نکل آئے، وہی باپ سمجھا جائے اور جن حقوق کے اسباب رائے کے سپرد ہوں اُن میں قرعہ جائز ہے۔ مثلاً مشترک مکان کی تقسیم میں قرعہ سے زید کو مشرقی حصہ دے دینا اور عمرو کو

کو مغربی حصہ دے دینا۔ یہ اس لئے جائز ہے کہ بلا قرعہ بھی ایسا کرنا اتفاق شریکین سے یا قضائے قاضی سے جائز تھا۔ یا یوں کہئے کہ جہاں سب شریکوں کے حقوق مساویانہ ہوں وہاں کوئی ایک جہت، ایک شخص کے لئے متعین کرنے کے واسطے قرعہ اندازی جائز ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم کا سرپرست بنا دیا گیا۔ اور انہیں ان کی والدہ ماجدہ بیگم عمران کی نذر کے مطابق بیت المقدس کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا گیا چنانچہ وہ مسجد قدس کے احاطہ کے ایک حجرہ میں رہائش پذیر ہو گئیں۔ اور اسی میں عبادت، ذکر اور اعتکاف میں رہا کرتی تھیں۔ اس حجرہ میں حضرت مریم کے لئے بغیر کسی ظاہری واسطہ کے رزق آموجود رہتا تھا۔ حضرت زکریا جب کبھی اندر تشریف لاتے تو یہ چیز دیکھکر حیران رہ جاتے تھے۔ اس پر حضرت مریم فرماتی تھیں کہ یہ منجانب اللہ ہے۔

حضرت مریم کے لئے ظاہری اسباب سے بغیر رزق کا فراہم ہونا خرق عادت کے طور پر تھا اور خاصان خدا کی زندگی میں اس نوع کے واقعات کا ظہور کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت مریم کے اس واقعہ میں اس بات کے لئے بڑی واضح دلیل موجود ہے کہ اولیاء اللہ اور صالحین سے کرامات اور خرق عادت امور کا ظہور وصدور حق ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ استدل بالآیۃ علی جواز الکرامۃ للاولیاء لان مریم لا نبوۃ لہا وھذا ھو الذی ذھب الیہ اھل السنۃ

اس آیت طیبہ سے اہل سنت وجماعت نے اولیاء اللہ کے کرامات کے ثبوت پر استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت مریم نبوت سے سرفراز نہ تھیں۔

حضرت مریم نے ایک ایسے خاندان میں آنکھیں کھولیں جسکے اکابرین میں ایک طرف نبوت کا سلسلہ قائم تھا تو دوسری طرف دینی و روحانی مرکز بیت المقدس کی نگرانی و تولیت کا اعزاز اور شرف حاصل تھا نبوت کے برکات، صالح و پاک طینت افراد کی توجہات اور خدا پرستانہ ماحول کے اثرات سے ان کے اندر ایسی خوبیاں پیدا ہو گئیں جنکی نظیر دودمان بنی اسرائیل میں خال خال ہی مل سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خاص فضل وکرم اور لطف ومہربانی کا معاملہ فرمایا اور طفولیت ہی سے ان کے دامن کو ہر طرح کی گندگی ونجاست سے پاک وصاف رکھا اور پیدائش کے وقت ہی سے انہیں شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھا خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو انکی خدمت میں بھیج کر اپنی طرف سے قبولیت کی بشارت اور ان کے صاحب عفت ہونے اور اس زمانے کی ساری

عورتوں سے برگزیدہ ہونے کی خبر سنائی۔ قرآنِ کریم کے الفاظ ہیں۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ نے تمہیں اپنی قبولیت کے لئے چن لیا ہے۔ اور (برائیوں کی آلودگی سے) پاک کر دیا ہے اور تمام دنیا کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ اے مریم! اب تم اپنے پروردگار کی اطاعت و نیاز میں سرگرم ہو جاؤ۔ اور رکوع و سجود کرنے والوں کے ساتھ تم بھی رکوع و سجود میں مشغول رہو۔ (ترجمان القرآن)

قرآنِ کریم نے ایک دوسرے مقام پر حضرت مریم کی طہارت و نزاہت، عفت و عصمت، طاعت و بندگی اور پیغامات ربانی پر اور آسمانی کتابوں پر ان کے ایمان و ایقان اور تصدیق سے متعلق ان الفاظ میں صراحت کی ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔ (التحریم)

نیز اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی تسلی و اطمینان کے لئے مریم بنتِ عمران کا حال بیان کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنی عزت و ناموس کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے ان کے چاک گریبان میں (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے) اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی (جو ان کو ملائکہ کے ذریعے پہنچے تھے) اور اسکے کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں۔

حضرت مریم نے شباب کی منزل میں قدم رکھا تو اللہ نے انہیں آزمائش سے بھرپور بشارت کے لئے منتخب و منفرد فرمایا اور ان کے بطن مبارک سے صنفی مواصلت کے بغیر معجزانہ طور پر لڑکے کی ولادت کا فیصلہ فرمایا چنانچہ اب وہ وقت آپہنچا کہ اللہ کے فرشتے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پیام ربانی سنایا۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ آپ کو خوش خبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی انکا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ

دنیا اور آخرت (دونوں) میں معزز ہوں گے۔ اور انکا شمار اللہ کے مقرب بندوں میں ہوگا۔ اور وہ گہوارہ میں لوگوں سے گفتگو کریں گے اور پختہ عمر میں بھی۔ بچپن میں اور بڑی عمر میں یکساں طور پر وعظ و ھدایت کریں گے۔ اور صالحین میں سے ہوں گے

اس ربانی بشارت کو سن کر حضرت مریم اللہ کی قدرت اور اسکی عظمت شان پر بتقاضائے بشریت متعجب ہوگئیں اور اپنے خالق و مالک سے عرض کرنے لگیں۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (سورۃ آل عمران)

میرے پروردگار میرے لئے لڑکا کیس طرح ہوگا در آں حالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے۔ جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس سے کہتا ہے کہ ہو جا۔ سو وہ ہو جاتی ہے (خواہ اسباب کے واسطے سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے) اور اللہ اس ہونے والے لڑکے کو کتاب و حکمت اور توراۃ و انجیل کا علم عطا فرمائے گا اور اُسے بنی اسرائیل کی جانب بہ حیثیت رسول کے بھیجے گا۔

اور وہ کہے گا۔ دیکھو میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں (جیسا کہ دوسرے پیغمبر بھی خدائی نشانیاں لے کر آتے رہے ہیں) میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد۔ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں۔ اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔

اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں۔ بے شک ان (سارے واقعات) میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آیا ہوں (جس کی مقدس نوشتوں میں خبر دی جا چکی ہے) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ اسکی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

حضرت مریم کی زندگی میں وہ لمحات داخل ہو گئے جن میں مذکورۃ الصدر بشارت کے ظہور کا وقت آ پہنچا چنانچہ اس واقعہ کا منظر قرآنِ کریم نے اس طرح پیش کیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا. فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ـ قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا. قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا. قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا. قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا. فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا. فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ. قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا. فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا. وَهُزِّيْ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا. فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْلِيْ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا (سورۃ مریم)

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتاب میں مریم کا حال بیان کیجئے۔ جب کہ وہ اپنے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی۔ پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا۔ اسس حالت میں ہم نے ان کے پاس اپنی روح (حضرت جبریئل علیہ السلام) کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے بھلے چنگے آدمی کے روپ میں ظاہر ہوئے۔ مریم انہیں دیکھکر گھبرا گئیں اور کہنے لگیں اگر تم نیک آدمی ہو تو میں خدائے رحمان کے نام پر تم سے پناہ مانگتی ہوں۔ حضرت جبریئلؑ نے فرمایا میں انسان نہیں کہ تم

مجھ سے ڈرتی ہو بلکہ میں تو تمہارے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا۔ میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ حضرت جبرئیل نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے کچھ مشکل نہیں ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پا چکا۔ پھر مریم کو اس ہونے والے فرزند (عیسیٰ) کا حمل ٹھہر گیا۔ وہ (اپنی یہ حالت چھپانے کے لئے) لوگوں سے الگ ہو کر دور چلی گئیں۔ پھر انہیں دردِ زہ کا اضطراب کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اسکے تنہ کے سہارے بیٹھ گئیں) اس نے کہا کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی۔ اور میرا نام و نشان نہ رہتا۔ فرشتے نے پائنتی سے اسکو پکارا۔ غمگین نہ ہو۔ تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔ تو کھجور کے درخت کا تنہ پکڑ کے اپنی طرف ہلا۔ تازہ اور پکے ہوئے پھلوں کے گوشے تجھ پر گرنے لگیں گے کھا پی (اپنے بچے کے نظارہ سے) آنکھیں ٹھنڈی کر (اور سارا غم و ہراس بھول جا) پھر اگر کوئی آدمی نظر آئے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے۔ میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ کی منت مان رکھی ہے۔ اس لئے آج میں کسی آدمی سے بات چیت نہیں کر سکتی۔

اب وہ وقت آ پہنچا کہ خانوادہ نبوت کی بن بیاہی کنواری لڑکی جسکی برگزیدگی و پاکیزگی عفت و نزاہت، زہد و تقوای اور عبادت و ریاضت کا ہر کوئی قائل اور معترف تھا، اپنی گود میں بچہ لئے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوگئی تو ساری قوم میں بے چینی اور ہلچل پیدا ہوگئی اور ہزاروں کی تعداد بڑے اور چھوٹے اسکے پاس جمع ہوتے چلے گئے۔ اس نازک موقع پر اللہ نے حضرت مریم کی عزت و ناموس کی حفاظت کا سامان اس طرح مہیا فرمایا کہ انہیں اپنی طرف سے کچھ کہنے اور عرض کرنے کے بجائے نوزائیدہ بچہ ہی کو نطق و گویائی عطا کی تا کہ اس حیرت خیز اور عبرت انگیز معجزہ کی وجہ سے حضرت مریم پر اخلاقی جرم کا کوئی شک و شبہ باقی نہ رہ سکے۔ قرآنِ کریم نے اس ماحول کی عکاسی اس طرح کی ہے۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا

كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط
قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا
قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ
جَعَلَنِيْ نَبِيًّا۔ وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا
كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا
دُمْتُ حَيًّا وَّ بَرًّام بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ
يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ
يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ
حَيًّا۔ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ
فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (سورۃ مریم)۔

پھر وہ اس بچے کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگوں نے (جب گود میں بچہ دیکھا ان کی شادی تو نہیں ہوئی تھی، بدگمان ہوکر) کہا اے مریم! تو نے تو بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدچلن تھی (پھر بھلا تو یہ کیا کر بیٹھی)

اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمہیں بتلادے گا کہ حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔ مگر لڑکا بول اٹھا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اس نے مجھے بابرکت کیا خواہ میں کسی جگہ رہوں۔ اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کہ جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھکو خودسر اور نافرمان نہیں بنایا۔ مجھ پر اسکی طرف سے سلامتی کا پیام ہے جس دن پیدا ہوا۔ جس دن مروں اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جاؤں۔

یہ ہے مریم کے بیٹے عیسیٰ کی سرگذشت۔ سچائی کی بات جس میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں۔

(جاری)

جواہر الحدیث

از: مولوی حافظ ابو النعمان
بشیر الحق قریشی قادری
اوہوتی۔
استاذ دارالعلوم لطیفیہ

ذیل میں چند حدیثوں کو پیش کیا جارہا ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت، ان کی شخصیت وحلیہ، انکا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا، قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر اتر آنا، دجال کو قتل کرنا، انکا نکاح ہونا، صاحب اولاد ہونا، وفات پانا اور قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں انکا دفن ہونا وغیرہ سے متعلق تصریحات موجود ہیں۔

ما من بنی آدم مولود الا یمسہ الشیطان یولد فیستهل صارخا من مس الشیطان غیر مریم وابنها (مسلم)

حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا بنی آدم میں سے جو بھی پیدا ہوتا ہے۔ شیطان اسکے پیدا ہوتے وقت اسے چھوتا ہے۔ اور وہ اسکے چھونے کی وجہ سے چیخنے لگتا ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صیاح المولود حین یقع نزغة من الشیطان (مسلم) حضرت ابو ہریرہ کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پیدا ہوتے وقت بچہ کا رونا اور چلانا شیطان کے کچوکا در چھونے کی وجہ سے ہے۔

عن ابی هریرة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال کل بنی آدم یمسه الشیطان یوم ولدته امه الا مریم وابنها (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر آدمی کے پیدا ہوتے وقت شیطان اسکو کچوکے لگاتا ہے جسکے اثر سے بچہ رونے اور چیخنے لگتا ہے اور ان کچوکوں سے صرف مریم اور ابن مریم ہی محفوظ رہے۔

ان احادیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان دنیا میں قدم رکھتے ہی شیطان اس پر اپنے مکر وفریب کے کمند

پھینکنے لگتا ہے تاکہ وہ گمراہی اور ضلالت کے بھنور میں پھنس کر رہ جائے۔ مریم اور ابن مریم کا شیطان کے کچوکے اور چھونے سے محفوظ رہ جانا یقیناً ان دونوں کے لئے بڑی فضیلت کی بات ہے جس میں کوئی دوسرا انسان شریک نہیں۔ اور کیا عجیب ہے کہ یہ بیگم عمران والدۂ مریم کی اس پر خلوص اور مستجاب دعا کی برکت و تاثیر ہو۔ اِنِّیٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ میں اس کو (مریم) اور اسکی اولاد کو آپ کی پناہ و حفاظت میں دیتی ہوں۔ شیطان مردود سے۔ امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں۔

ھذہ فضیلۃ ظاہرۃ وظاھر الحدیث اختصاصھا لعیسیٰ وامہ و اختار القاضی عیاض ان جمیع الانبیاء یتشارکون فیھا۔ (مسلم جلد اول ۲۶۵)

یہ ظاہری فضیلت ہے اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مس شیطان سے تحفظ مریم اور ابن مریم ہی کی خصوصیت ہے۔ قاضی عیاض نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ولادت کے وقت مس شیطان سے تحفظ سارے انبیائے کرام کی خصوصیت ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اولی الناس بعیسیٰ الانبیاء اولاد علّات ولیس بینی وبین عیسیٰ نبی (مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں حضرت عیسیٰ سے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ قریب کا تعلق رکھنے والا ہوں تمام انبیائے کرام علاتی بھائی ہیں۔ میں اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اولی الناس بعیسیٰ ابن مریم فی الاولیٰ والاخرۃ قالوا کیف یا رسول اللہ! قال الانبیاء اخوۃ من علّات وامھاتھم شتّی ودینھم واحد فلیس بیننا نبی (مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں دنیا و آخرت میں ابن مریم سے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ قریب کا تعلق رکھنے والا ہوں۔ صحابہ کرام نے پوچھا۔ یا رسول اللہ یہ کیسے؟ فرمایا تمام انبیائے کرام علاتی بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں لیکن سب کا دین ایک ہی ہے اور میرے اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بی .... ولقیت عیسیٰ فنعتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ربعۃ احمر کانّہ خرج من دیماس یعنی الحمام (بخاری ص۴۸۹)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے شب معراج میں عیسی علیہ السلام سے ملاقات کی، وہ سرخ رنگ اور میانہ قد ہیں۔ چہرہ کی رنگت، تر وتازگی اور شگفتگی کا یہ عالم نظر آیا کہ وہ ابھی ابھی حمام سے نکل آئے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأیت عیسی...... فاما عیسی فاحمر جعد عریض الصدر (بخاری ص۴۸۹)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے عیسیٰ کو دیکھا، وہ سُرخ رنگ گھنگریالے بال اور کشادہ سینے کے مالک ہیں۔

قال عبد اللہ بن عمر ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم...... ارانی اللیلۃ عند الکعبۃ فی المنام فاذا رجل آدم کاحسن ما تریٰ من ادم الرجال تضرب لمتہ بین منکبیہ رجل الشعر یقطر رأسہ ماءً واضعًا یدیہ علی منکبی رجلین وھو یطوف بالبیت فقلت من ھذا فقالوا ھذا المسیح ابن مریم (بخاری ص۴۸۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ مجھے خواب دکھلایا گیا کہ میں کعبہ کے پاس ہوں۔ اچانک گندمی رنگ کا ایک شخص دکھائی دیا جو بہت ہی حسین وجمیل ہے۔ گندمی رنگ کے آدمیوں میں اس سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ اسکے زلف کندھوں پر کان کی لو تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سر کے بالوں سے پانی کے قطرات ٹپکتے دکھائی دے رہے ہیں۔ (یعنی وہ شخص شگفتگی وشادابی اور تازگی سے آراستہ نظر آرہا ہے) دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے تو بتلایا گیا یہ مسیح ابن مریم ہیں۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لم یتکلم فی المھد الا ثلاثۃ عیسیٰ (بخاری) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گہوارہ میں صرف تین آدمیوں نے کلام کیا۔ ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

عن عبادۃ بن الصامت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من شھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل۔

حضرت عبادۃ بن صامت سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی گواہی

دی اور یہ اقرار کیا اور اعتقاد رکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بندے اور کلمۃ اللہ ہیں جنکو اللہ نے مریم کی جانب القاء فرمایا اور وہ اللہ کی روح ہیں۔ اور جنت و دوزخ ہیں۔ اس اعتقاد اور اعمال صالحہ کی برکت سے اللہ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمائے گا اور انکے اعمال کے مطابق درجات اور مراتب عطا فرمائے گا۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رای عیسیٰ رجلاً یسرق فقال اسرقت قال کلا واللہ الذی لا الٰہ الا ھو فقال عیسیٰ اٰمنت باللہ وکذبت عینی (مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ نے ایک آدمی کو دیکھا جو چوری کر رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا تم چوری کر رہے ہو۔ اس نے کہا قسم بخدا حاشا و کلا۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنے نفس کو جھٹلایا۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہری اعتبار سے چوری کی جو صورت اور کیفیت نظر آرہی تھی اس شخص کے قسم کھانے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کا ظن و گمان ساقط ہوگیا اور اس سے رجوع فرمالیا۔

حضرت عیسیٰ سے متعلق وحیٔ محمدیؐ کی تصریحات

ہیں یہ بات بھی شامل ہے کہ بنی اسرائیل ان کے خلاف قتل اور سولی کی تدبیریں کرنے لگے تو اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ اور ان نازک لمحات میں ان سے یوں مخاطب ہوا۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ۔ اے عیسیٰ! کچھ غم نہ کرو میں تمہارا (طبعی موت کا مقررہ) وقت پورا کروں گا اور فی الحال میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں۔ (لہٰذا تم ان دشمنوں کے ہاتھوں سولی سے بچ جاؤ گے) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ رافعک ثم متوفیک فی اٰخر الزمان میں تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔ پھر آخر زمانے میں آپ کو طبعی طور پر وفات دوں گا۔

(درمنثور ص ۳۶ ج ۲)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ بے شک بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور یہ معاملہ لوگوں پر مشتبہ بنا دیا گیا کہ کوئی بھی حقیقت حال پر مطلع نہ ہوسکا۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ فی الواقع انہوں نے نہ مسیح کو قتل

کیا نہ انہیں صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔

اس تدبیر الٰہی سے متعلق ایک معاصر مفسر قرآن کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے۔

حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کی شکل و صورت تبدیل کر کے بالکل عیسیٰ علیہ اسلام کی صورت میں ڈھال دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

حاصل کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے دن دمشق کے مشرقی حصے میں دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ اس وقت آپ کی نبوی حیثیت برقرار نہ رہیگی اور نہ آپ پر وحی نازل ہوگی اور نہ آپ کتاب مقدس انجیل کے احکام نافذ کریں گے۔ بلکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے اور شریعت محمدی کا نفاذ فرمائیں گے۔ آپ کے نزول کے بعد عیسائیت سمیت ساری ملتیں مٹ جائیں گی اور سارے انسان ملت اسلامی میں داخل اور شامل ہو جائیں گے جسکے بعد نہ کسی قوم پر جہاد ہوگا اور نہ کسی پر جزیہ عائد کیا جائیگا۔

اور قرب قیامت کے سامنے ظاہر ہونے والی عجیب و غریب فتنہ سامانی، شعبدہ باز اور محیر العقول شخصیت دجال کا قتل آپ ہی کے ہاتھوں اسرائیل کے دار السلطنت تل ابیب کے قریبی مقام لُد کے دروازے پر ہوگا۔ اور آپ دنیا میں چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔ آپ کا عقد ہوگا اور صاحب اولاد ہوں گے اور طبعی موت انتقال کر جائیں گے۔ اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ اور گنبدِ خضرا میں رسول کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آپ کی تدفین عمل میں آئے گی۔ ذیل کی احادیث ملاحظہ کیجئے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج و یولد ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء

(مشکوٰۃ ص ۴۸۳ جلد دوم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حضرت عیسیٰ زمین پر نازل ہوں گے، نکاح کریں گے، انہیں

اولاد ہوگی، اور پینتالیس سال دنیا میں زندہ رہنے کے بعد انتقال کر جائیں گے۔ اور وہ میری قبر میں دفن ہوں گے اور ہم دونوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان ایک ہی قبر سے اٹھیں گے۔

حدیث میں قبر سے مُراد مقبرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ انتہائی قرب کی تعبیر قبر سے کی گئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس بینی و بینہ نبی۔ (یعنی عیسیٰ) وانہ نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ رجل مربوع الی الحمرۃ و البیاض، بین ممصرتین کان رأسہ یقطر وان لم یصبہ بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویھلک اللہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام ویھلک المسیح الدجال فیمکث فی الارض اربعین سنۃ ثم یتوفی فیصلی علیہ المسلمون (ابوداؤد ص۲۳۸)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور اُن (عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اور وہ آسمان سے زمین پر اترنے والے ہیں۔ پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ وہ میانہ قد کے آدمی ہیں۔ رنگ مائل بہ سرخ اور سفید ہے۔ دو زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ہوں گے۔ ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے کہ ان سے پانی کے قطرات ٹپکتے نظر آئیں گے حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے اور اسلام پر لوگوں سے جہاد کریں گے۔ صلیب توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ جزیہ ختم کر دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا دیگر تمام مذاہب و ملتوں کو مٹا دیں گے۔ اور دجال کو ہلاک کر دیں گے۔ اور زمین پر چالیس سال ٹھہریں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

اس حدیث میں میری قبر میں دفن ہوں گے سے مُراد مقبرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ انتہائی قرب کی تعبیر میری قبر سے کی گئی ہے اور بعض حدیثوں میں ستر سال اقامت کی بات ہے۔ اس ظاہری تعارض کا دفع اور ان روایتوں کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت چالیس سال والی روایت سے کی گئی اور اسی کی ترجیح دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل عیسیٰ بن مریم. فیقتل الخنزیر ویمحو الصلیب وتجمع له الصلوٰۃ ویعطی المال حتی لا یقبل ویضع الخراج وینزل الروحا فیحج منها

او یعتمر او یجمعھما (مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے، پھر وہ خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے اور ان کے لئے نماز جمع کی جائیگی اور وہ اتنا مال تقسیم کریں گے اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا اور وہ خراج ساقط کر دیں گے اور وہ روحا کے مقام پر منزل کر کے وہاں سے حج یا عمرہ کریں یا دونوں کو جمع کریں گے۔

مذکورہ حدیث میں خنزیر کو قتل کرنے اور صلیب کو توڑنے سے مراد یہ ہے کہ عیسائیت ختم کر دی جائیگی اور حضرت عیسیٰ کے لئے نماز جمع کی جائے گی کا شاید مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ امامت نہیں کریں گے اور آپ دوسرے شخص کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ نبی اور رسول کی حیثیت سے نازل نہیں ہوں گے۔

عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرھم تعال فصلِّ فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللہ ھذہ الامۃ (مسلم)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ...... پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا کہ تشریف لائیے۔ آپ نماز پڑھائیے۔ مگر وہ کہیں گے کہ نہیں نہیں، تم لوگ خود ہی ایک دوسرے کے امیر ہو۔ امیر تم ہی میں سے ہونا چاہیئے۔ وہ یہ بات اس عزت اور تکریم کا لحاظ کرتے ہوئے کہیں گے جو اللہ نے اس امت کو دی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیسے ہو گے تم جب کہ تمہارے درمیان عیسیٰ ابن مریم اتریں گے۔ اور اس وقت تمہارا امام خود تم ہی میں سے ہوگا۔ یعنی حضرت عیسیٰ امامت نہیں کریں گے بلکہ دوسرے امام کے پیچھے اقتداء کریں گے۔

عن جابر بن عبد اللہ (فی قصۃ ابن صیاد) فقال عمر بن الخطاب ائذن لی فاقتلہ یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکن ھو فلست

صاحبہ انما صاحبہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وان لا یکن فلیس لک ان تقتل رجلا من اھل العھد (مشکوٰۃ)

قصۂ ابن صیاد کے سلسلہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے قتل کر دوں تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہی شخص (یعنی دجال) ہے تو اسکو قتل کرنے والے تم نہیں ہو بلکہ اسے عیسیٰ ابن مریم ہی قتل کریں گے۔ اور اگر یہ وہ شخص نہیں ہے تو تمہیں ذمیوں میں سے کسی آدمی کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

عن النواس بن سمعان (فی قصۃ الدجال) فبینما ھو کذلک اذ بعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق بین مھرودتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین اذا طأطأ راسہ قطر واذا رفعہ تحدر منہ جمان کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسہ الامات ونفسہ ینتھی الی حیث ینتھی طرفہ فیطلبہ حتی یدرکہ بباب لُدّ فیقتلہ (ترمذی)

حضرت نواس بن سمعان دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ دجال یہ سب کر رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیج دیگا اور وہ دمشق کی مشرقی جانب میں سفید مینار کے پاس، زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے اتریں گے جب وہ اپنا سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ اور جب سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ ان کی حد تک نظر جائے گی وہ زندہ نہ بچے گا۔ پھر ابن مریم دجال کا تعاقب کریں گے اور لُدّ کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

عن جابر بن عبد اللہ (فی قصۃ الدجال) فاذا ھم بعیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فتقام الصلوٰۃ، فیقال لہ تقدم یا روح اللہ فیقول لیتقدم امامکم فلیصل بکم فاذا صلوا صلوٰۃ الصبح خرجوا الیہ۔ قال فحین یری الکذاب ینماث کما ینماث الملح فی الماء فیمشی الیہ فیقتلہ حتی ان الشجر والحجر ینادی یا روح اللہ ھذا الیھودی، فلا یترک ممن کان یتبعہ احد الا قتلہ (مسند احمد)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ اس وقت اچانک عیسیٰ بن مریمؑ مسلمانوں کے درمیان آجائیں گے، پھر نماز کھڑی ہوگی اور ان سے کہا جائیگا کہ اے روح اللہ آپ امامت کیجئے۔ مگر وہ کہیں گے کہ نہیں تمہارے امام ہی کو آگے بڑھنا چاہئے۔ وہی امامت کرے۔ پھر نماز صبح سے فارغ ہوکر مسلمان دجال کے مقابلے پر نکلیں گے۔ فرمایا جب وہ کذاب (دجال) حضرت عیسیٰ کو دیکھے گا تو گھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے پھر وہ اسکی طرف بڑھیں گے اور اسے قتل کردیں گے۔ اور اس وقت حالت یہ ہوگی درخت اور پتھر پکار اٹھیں گے کہ اے روح اللہ (عیسیٰ بن مریم) یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ دجال کے پیروؤں میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔ جسے وہ (عیسیٰؑ) قتل نہ کریں۔

لا تقوم الساعة حتی ینزل عیسیٰ ابن مریم (بخاری)

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہولیں۔

عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاہرین علی من ناوأہم حتی یاتی امر اللہ تبارک و تعالیٰ وینزل عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (مسند احمد)

حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی موجود رہیگی جو حق پر قائم اور مخالفین پر بھاری ہوگی۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوجائیں۔

فیبعث اللہ عیسیٰ ابن مریم کانہ عروة بن مسعود فیطلبه فیهلکه ثم یمکث الناس سبع سنین لیس بین اثنین عداوة (مسلم)

دجال کے تذکرہ کے تحت یہ حدیث آئی ہوئی ہے۔ پھر اللہ عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا۔ ان کا حلیہ صحابی رسول حضرت عروہ بن مسعود سے مشابہ ہوگا۔ وہ دجال کا تعاقب کریں گے اور اسے ہلاک کردیں گے۔ پھر سات سال تک لوگ اس حال میں رہیں گے کہ دو آدمیوں کے درمیان بھی عداوت نہ ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر معراج کے موقعہ پر دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ بن مریم سے ملاقات کی اور انہوں نے رسول اللہؐ کو خوش آمدید کہا اور دعائے خیر کی۔ اس طویل ترین حدیث کا مختصر حصہ جو تذکرہ عیسیٰ پر مشتمل ہے ملاحظہ کیجئے

ثم عرج بی الی السماء الثانیة

نویں (۹) قسط

فصل الخطاب

بین الخطاء والصواب

مُصنّف

مجدّدِ جنوب حضرت علامہ الحاج شاہ محی الدین سیدہ عبداللطیف قادری

المعروف

حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص از

مولوی حافظ ابوالنعمان محمد بشیر الحق قریشی قادری ادیب فاضل

استاذ دار العلوم لطیفیہ

فصل الخطاب کی موجودہ قسط درج ذیل موضوعات اور مباحث پر مشتمل ہے

- احکام حج
- طواف غیر کعبہ کا حکم
- ضیافت کی اقسام اور دعوت قبول کرنے کے احکام
- مردوں کے لئے زندوں کی جانب سے صدقہ خیرات اور دعا کرنے کا حکم
- تعیین صدقات کا حکم
- نذر و نیاز کا حکم
- آدمی کے جھوٹے کا حکم مشرک اور کتابی کے ذبیحہ کا حکم، اور ان دونوں کے ذبیحہ کے کھانے کا حکم
- تمباکو استعمال کرنے کا حکم
- میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ اظہار مسرّت کا حکم
- زیارت موئے نبوی ؐ
- تذکرۂ مناقب و فضائل صلحاء و اتقیاء اور ترجمہ سیر و شمائل انبیاء و اولیاء
- عورتوں کے حسن و جمال اور ان کے خط و خال کا تذکرہ
- داعیان حق اور دعوت الی اللہ کے مراتب
- قبر پر عمارت اور گنبد کی تعمیر کے احکام
- اہلِ قبلہ کی تکفیر کے احکام
- اہلِ سنت وجماعت کو بدعتی کہنے کے احکام
- دین و اسلام کے مذاہب میں جدال اور بات چیت میں مخالفت کے احکام
- سجدۂ تحیت کا حکم

فائدہ ۴ احکامِ حج

چوتھا فائدہ احکام حج سے متعلق ہے۔

حج ایک فرض عبادت ہے اور حج کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوگا اور یہ عبادت ہر ایسے مسلمان پر جو آزاد، مکلف، تندرست اور صاحب بصارت ہو۔ ایک مرتبہ فرض ہے بشرطیکہ وہ سفر کے اخراجات اور مصارف برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہ سواری کے اخراجات، زادِ راہ، رہائشی مکان، نوکر چاکر کے خرچ، گھریلو ساز و سامان اور کپڑوں کے علاوہ ہے۔

نیز یہ اخراجات اسکے گھر واپس لوٹ آنے تک اسکے اہل و عیال کے نان نفقہ کے ماسوا ہیں۔

اور حج کی فرضیت کے لئے ایک شرط راستے کا پُرامن ہونا بھی ہے۔ بعض فقہائے کرام نے سمندری سفر کو پُرخطر اور غیر مامون کہا ہے جیسا کہ شرح وقایہ میں مرقوم ہے۔

ابوالمکارم، شیخ الاسلام، امام ربانی، بحرالعلوم، شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ کی بزرگی وعظمت مشہور و معروف ہے۔ اور یہ سارے بزرگانِ دین اس قابل ہیں کہ ان کی ذات کے ساتھ حسنِ ظن ہی قائم کیا جاسکتا ہے اور یہ حضرات شرائط حج کے فقدان اور ممانعت حج کے اسباب کی موجودگی کے باعث حج ادا نہ کرسکے۔ لہٰذا ان بزرگوں کو حج نہ کرنے کا طعنہ دینا سوءِ ظن کا مرتکب ہونا ہے اور سوءِ ظن سے متعلق اللہ نے کہہ دیا ہے کہ وہ گناہ ہے۔

ان بعض الظن اثم

فائدہ ۵

طوافِ غیر کعبہ کا حکم

پانچواں فائدہ طواف غیر کعبہ کے حکم سے متعلق ہے۔

غیر کعبہ کا طواف کرنا حرام ہے۔ خواہ تین مرتبہ کریں۔ یا اس سے کم یا اس سے زیادہ، جیسا کہ ملا علی قاری کی کتاب "مناسک" میں مرقوم ہے۔ اور بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ "المنہل الفائق" میں مذکور ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ بعض فتاوٰی میں مسطور ہے۔ ان اختلافات کی پوری تفصیل "مأتہ المسائل" کے ۴۳ ویں سوال کے جواب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

نیز اسی جواب میں مرقوم ہے کہ

جب ان معتبر کتابوں کی روایات سے یہ بات واضح ہے کہ غیر کعبہ قبر ہو یا غیر قبر، کا طواف کرنا حرام ہے تو اسی سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ وہ روایات غیر معتبر ہیں جو تین مرتبہ طواف غیر کعبہ کو جائز قرار دیتی ہیں اور فقہاء کا یہ قاعدہ اور ضابطہ بھی ہے کہ متون کی روایات، شروح کی روایات سے معتبر ہیں اور شروح کی روایات، فتاوٰی کی روایات سے معتبر ہیں۔ لہٰذا شروح کی روایات جو طواف غیر کعبہ کے حرام ہونے میں بکثرت منقول ہیں۔ وہ متون کی منزل میں ہیں اور جائز قرار دینے والی روایات چند فتاوٰی کے اندر آگئی ہوئی ہیں اور جب کبھی فتاوٰی اور شروح کی روایات میں تعارض و تصادم پیدا ہو جائے تو شروح کی روایات کو ترجیح دی جائیگی۔

خانہ کعبہ کے طواف سے شارع علیہ السلام کا مقصود ایک مخصوص تعظیم ہے جو کعبہ کے سوا کسی دوسری چیز کے ساتھ اس قسم کی تعظیم نہ ہو۔ اور جب طواف کو غیر کعبہ قبر یا انسان کے لئے بھی جائز قرار دیا جائے تو تعظیم و تقدیس میں کعبہ اور غیر کعبہ دونوں برابر ہو جائیں گے اور یہ چیز شارع علیہ السلام کے مقصود اور مطلوب کے خلاف ہے اور ہر وہ روایت جو شارع کے مقصود کے خلاف نظر آئے اسکو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے۔

زاد الآخرت کے مصنف ۱۲ ویں باب کی چوتھی فصل میں تحریر کرتے ہیں۔

قبروں کا طواف کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ طواف کعبہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ چیز

(طواف) حج اور عمرہ کے مناسک اور عبادت کی جنس سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔
لہٰذا بعض مشائخ کرام کی کتابوں میں اولیاء اللہ کی قبروں کے طواف کو جو جائز لکھا گیا ہے وہ ذہول اور غفلت پر مبنی ہے اور خلاف تحقیق ہرگز ایسی روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

اس مقام پر مثنوی مولینا روم میں بیان کردہ ایک واقعہ کی حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہیئے جس میں کسی بزرگ نے حضرت بایزید بسطامی کو اپنا طواف کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے سات مرتبہ ان بزرگ کا طواف کیا۔ شرح مثنوی میں بحر العلوم اس واقعہ کی توجیہہ اور وضاحت اس طرح فرماتے ہیں۔

اس واقعہ کے اندر یہ اشارہ موجود ہے کہ جس طرح ذات باری تعالیٰ کا ظہور اسماء و صفات کے ساتھ صورت انسانیہ میں ہے اسی طرح صورت کعبہ میں بھی ہے۔ اگرچہ کہ ظہور ان دونوں (انسان - کعبہ) میں مختلف ہے۔ چنانچہ صورت انسانیہ میں ذات الٰہی کا ظہور باسماء و صفات ہے مع صفات کونیہ۔

اسی لئے انسان ذات الٰہی کا مظہر اتم قرار پایا برخلاف کعبہ کے جس میں جمیع صفات منفعلہ کونیہ کا ظہور نہیں ہے اور اس میں ذات صرف اسماء و صفات الہیہ کے ساتھ ظاہر ہے۔ یہی وہ فرق ہے جسکی وجہ سے کعبہ، اللہ کی تجلی گاہ ہے اور اسی لئے کعبہ عبادت کا قبلہ ٹھہرا، انسان نہیں!

اس مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہو کہ حضرت بایزید بسطامی کے طواف کرنے کے وقت میں اس بزرگ میں اللہ مشہود تھا نہ کہ صفات کونیہ۔

نیز بحر العلوم تا بہ بینی نور حق اندر بشر کے مصرع کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طواف کے وقت میں بشر میں اللہ مشہود تھا اور حضرت بایزید کا طواف اسی اللہ مشہود کے لئے تھا جیسا کہ اولیاء اللہ کے لئے کعبہ میں اللہ مشہود رہتا ہے اور کعبہ کا طواف در اصل اللہ کا طواف ہے اور اولیاء اللہ کو طواف کعبہ کے وقت میں جو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے وہی بایزید بسطامی کو اس بشر میں حاصل ہوا (جسکی وجہ سے انہوں نے اس بزرگ کا طواف کیا جو فی الحقیقت اللہ مشہود ہی کے لئے تھا)

نیز اس بات کا احتمال بھی ہے کہ مولینا روم نے "مثنوی" کے اندر طواف بشر کی جو حکایت نقل کی ہے وہ پچھلا قول ہو جیسا کہ بعض فتاوٰی کے اندر بھی مرقوم ہے۔

اور الانتباہ فی سلاسل الاولیاء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے طواف قبر سے متعلق جو لکھا ہے وہ بھی اسی طرح قول اخیر ہی پر مبنی ہے۔

مطبوعہ مدارج النبوۃ کی دوسری جلد کے

۳۳۷ ویں صفحہ میں مرقوم ہے کہ ایک روایت میں آیا ہوا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ایک پاؤں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد چکر لگایا تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کی تعظیم ایسا ہی کرتے ہیں اور نجاشی جب کسی آدمی سے اپنی خوشنودی ظاہر کرتا تو وہ شخص کھڑا ہو جاتا اور نجاشی کے گرد ایک پاؤں پر چکر لگاتا۔

یہ روایت بھی اسی طرح قول اخیر ہی پر مبنی ہے اہل سنت وجماعت کے اس اختلافی مسئلہ میں اباحت کا قول نقل کرنے سے فقیر کا مقصد اور منشا صرف غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے تاکہ ان کے سامنے یہ پہلو نمایاں ہو سکے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر عیب اور طعن وتشنیع نہیں کرنا چاہئے۔ اور ہر مسلک والے کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ جب مجتہد ہی کو ایک جانب کا جزم ویقین میسر نہیں ہے تو ایک عامی مقلد یہ مقام کیسے پا سکتا ہے۔ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا۔ تمہارا رب ہی بہتر اور صحیح جانتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ ھدایت کے راستہ پر ہے۔ پانچویں مقدمہ میں اسکی بحث گذر چکی ہے۔ مزید تفصیل سترھویں مقدمہ میں ملاحظہ کی جائے۔

مذکورہ تفصیلات اور توضیحات سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ فقیر قول ضعیف پر عمل کرنے کی دعوت اور ترغیب دے رہا ہے اور اسکے مسلک کی بنیاد مرجوح روایات پر ہے حاشا وکلا۔ ایسا ہرگز نہیں۔

پس اس مقام پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ طواف غیر کعبہ کے مسئلہ میں مولینا رومی مولینا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دیگر اکابر حضرات پر طعن کرنے سے انکی اپنی مسئلہ میں لوگوں کی لاعلمی وبے خبری کا اندازہ ہوتا ہے اور طاعن حضرات کے گستاخ اور بے ادب ہونے کا بھی علم ہوتا ہے۔

(صفحہ نمبر ۲۸ کا سلسلہ)

فاستفتح جبرئیل فقیل من انت فقال جبرئیل قیل ومن معک قال محمد قیل وقد بعث الیہ قال قد بعث الیہ ففتح لنا فاذا انا بابنی الخالۃ یحییٰ وعیسیٰ فرحبا بی ودعوا لی بخیر (مسلم)

(جاری)

فائدہ نمبر ۶

ضیافت کی اقسام اور دعوت قبول کرنے کے احکام

چھٹا فائدہ ضیافت کی اقسام اور دعوت قبول کرنے کے احکام و آداب سے متعلق ہے۔

ضیافت کی اقسام بہت ہیں، شیخ المحدث شاہ عبد الحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ کے باب الولیمہ میں "مجمع البحار" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ضیافت کی آٹھ قسم ہیں۔

۱۔ دعوت ولیمہ جو نکاح کی خوشی اور مسرت میں کی جاتی ہے۔

۲۔ دعوت خُرس جو بچہ پیدا ہونے کی خوشی اور مسرت میں کی جاتی ہے۔

۳۔ دعوت اِعذار جو سنت ختنہ کی ادائیگی کے موقع پر کی جاتی ہے۔

۴۔ دعوت وکیرہ جو نئے مکان کی تعمیر کے بعد اسکے افتتاح کے موقع پر کی جاتی ہے۔

۵۔ دعوت نقیعہ جو مسافر مہمان کے گھر آنے کی خوشی میں، اسکے اعزاز میں یا اسکی وجہ سے دوسرے دوست و احباب اور رشتہ داروں کو مدعو کر کے کی جاتی ہے۔

۶۔ دعوت وضیمہ جو کسی مصیبت کے موقع پر کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی کے گھر میت ہو جائے یا کسی کے گھر والے کسی مصیبت و حادثہ کے شکار ہو جائیں تو اہل خانہ و متعلقین کو کھلایا جاتا ہے۔

۷۔ دعوت عقیقہ جو بچہ کا نام رکھنے کے وقت پر کی جاتی ہے۔

۸۔ دعوت مأدبہ جو بغیر کسی مقصد کے صرف خوشی اور لذت کے حصول کے خیال سے کی جاتی ہے

ضیافت کی یہ تمام اقسام مستحب ہیں صرف ولیمہ کے تعلق سے بعض فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ولیمہ واجب ہے۔ اور امام بغوی فرماتے ہیں کہ ولیمہ مستحب ہے۔ دولہا دلہن کو چاہیئے کہ اللہ نے ان پر جو انعام و اکرام فرمایا ہے اسکے اظہار شکر کے لئے ولیمہ کی دعوت کریں۔

نیز اسی میں رقمطراز ہیں کہ

ولیمہ موکد ترین مستحب ہے۔ اور بقول بعض فقہاء فرض کفایہ ہے اور بقول بعضے دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے۔ البتہ چند چیزیں ایسی ہیں اگر

وہ موجود ہوں تو اس دعوت کو قبول کرنا واجب نہیں ہے۔ مثلاً کھانے سے متعلق یہ شبہ ہو کہ وہ ناجائز اور حرام مال سے تیار کیا گیا ہے۔ یا اس بات کا علم ہو کہ وہ دعوت صرف اہل ثروت کے لئے مخصوص ہے یا اس دعوت میں شریر النفس لوگ موجود ہیں۔ یا داعی اپنی جاہ و عزت کے خاطر دعوت کا اہتمام کر رہا ہے یا دعوت کا اہتمام کسی باطل کام میں مدد کرنے کے لئے ہے یا دعوت میں فواحش و منکرات موجود ہیں اور ریائی شخص کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔

نیز اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

جب تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کے پاس چلا جائے تو اسکا کھانا کھا لینا چاہئے اور اسکے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اسکی دل جوئی کے خاطر یہ سوال نہیں کرنا چاہئے کہ یہ کھانا حرام مال سے تیار کردہ ہے یا حلال مال سے۔ اور اگر کسی ذریعہ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس کا کھانا حرام کمائی سے تیار شدہ ہے تو ہرگز نہیں کھانا چاہئے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہے جسکی کمائی کا زیادہ حصہ حرام اور ناجائز ہے تو اسکے پاس نہیں کھانا چاہئے۔ اور اگر ایسا شخص ہے جسکی آمدنی اور کمائی میں حلال و حرام دونوں کی آمیزش ہے تو حلال کے احتمال سے کھا لیا جائے اور اس شخص کا حال صحیح طور پر معلوم کیا جائے کہ وہ حلال اور حرام میں فرق کر رہا ہے یا نہیں؟

امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے ۲۴۵ ویں مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

دعوت قبول کرنے کے لئے چند شرائط ہیں۔

احیاء علوم الدین میں مرقوم ہے کہ اگر کھانے سے متعلق یہ شبہ ہو کہ وہ حلال کمائی سے تیار نہیں ہوا ہے۔ یا دعوت کی جگہ میں چھت اور دیواروں پر تصاویر آویزاں ہیں یا گانے بجاتے اور دوسرے لہو و لعب کے سامان موجود ہیں تو یہ سارے امور دعوت قبول کرنے کے لئے مانع ہیں اور اس طرح کی دعوت قبول کرنا حرام اور مکروہ ہے اور دعوت دینے والا شخص ظالم، بدعتی، فاسق، شریر النفس، لغو و مباہات کا طالب ہے تو بھی اسکی دعوت قبول نہیں کرنا چاہئے

شرعۃ الاسلام۔ میں مرقوم ہے کہ جب دعوت کے پیچھے ریاکاری، ظاہرداری، نام و نمود اور شہرت جیسے عوامل ہوں تو اسکا قبول کرنا واجب نہیں

محیط۔ میں مسطور ہے کہ ایسی مجلس میں کھانے پینے نہیں بیٹھنا چاہئے جس میں لہو و لعب ـ گانا بجانا موجود ہو اور ایسے افراد کے ساتھ مل کر کھانے میں شریک نہیں رہنا چاہئے جو غیبت کر رہے ہوں، اور شراب وغیرہ استعمال کر رہے ہوں جیسا کہ مطالب المومنین میں اسکی صراحت موجود ہے۔ اس طرح کے شرعی موانع اگر نہ پائے جاتے ہوں تو دعوت کو رد

نہیں کرنا چاہیئے۔

صاحب تفسیر احمدی ملا جیون لکھتے ہیں کہ

صاحب ھدایہ نے کتاب الکراھیۃ میں لکھا ہے کہ اگر تمہیں کسی دعوت میں مدعو کیا جائے اور وہاں لہو لعب اور گانا بجانا موجود ہو۔ پس اگر اس بات کا علم دعوت کے مقام پہ پہنچنے سے قبل ہو جائے تو وہاں شرکت نہ کریں۔ اور اگر حاضری کے بعد علم ہو جائے اور تمہارے اندر اہل مجلس کو ان منکرات شرعیہ سے روکنے کی طاقت ہے تو ضرور روک دینا چاہیئے اور اگر تمہارا شمار قوم کے رہنما و قائد حضرات میں سے ہے تو تمہیں چاہیئے کہ فوراً مجلس سے نکل جائیں اور کھانا نہ کھائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی تمہاری اقتدار میں مجلس سے اٹھ سکیں۔ اور اگر تمہارا شمار عوام الناس میں سے ہے اور لہو و لعب دسترخوان ہی پر ہو تو وہاں سے نکل جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین

اور اگر لہو لعب دسترخوان سے دور ہو اور تم دسترخوان پر بیٹھ چکے اور کھانا کھا چکے تو ٹھیک ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ہر حال میں ایسی مجلس سے نکل جائیں اور کھانا نہ کھائیں۔ یہ تفسیر احمدی کا حاصل ہے۔ انتہٰی۔

صاحب ھدایہ نے تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ اس حقیقت کی وضاحت کر رہا ہے کہ ہر قسم کے لہو و لعب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ شاخ درخت سے بجا بجا کر جو گانا گایا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں۔

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اگر دعوت میں جانے سے قبل یہ پتہ چل جائے کہ وہاں لہو و لعب ہے تو وہاں شریک ہونا جائز نہیں۔ اور اگر اس بات کا علم نہیں تھا شریک ہونے کے بعد دیکھا کہ لہو و لعب کا غلبہ ہے تو ایسی صورت میں اگر وہ لوگوں کو منکرات شرعیہ سے روکنے کی طاقت رکھتا ہے تو روک دے اور اگر روکنے کی طاقت نہیں ہے اور وہ قوم کے قائدین میں شامل ہے تو وہاں سے خود ہی نکل جائے تاکہ دوسرے اشخاص بھی اس کو دیکھ کر مجلس سے نکل جائیں اور منکرات سے بچ جائیں۔ اور اگر وہ شخص عامی ہے اور بیٹھ گیا اور کھانا کھایا تو کوئی قباحت نہیں۔ اس لیے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے اور کسی بدعت کی وجہ سے سنت کو ترک نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ نماز جنازہ میں کسی نوحہ کنان عورت کی موجودگی سے نماز جنازہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ النعمان فرماتے ہیں کہ میں بھی ایک مرتبہ اس آزمائش (امام و مقتدا ہونے سے پہلے) سے دوچار رہا اور صبر سے کام لیا فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا یہ قول ابتلیت (آزمائش میں گھر گیا) حرام ہونے پر

دلالت کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو یہ اعتراض ہو کہ ایک سنت ادا کرنے کے لئے فعل حرام کو برداشت کرنا جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے صبر کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ اس معنی میں ہے کہ لہو و لعب کو منکرات شرعیہ میں سے خیال کرتے ہوئے اور اس میں انہماک و توجہ اور دلچسپی کے بغیر اس سے اعراض کرتے ہوئے بیٹھے رہنا ہے

مولینا شاہ اسحاق مہاجر مائۃ المسائل کے ۹۲ ویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ھدایہ کے حاشیہ میں سید نے لکھا ہے کہ دعوت مسنونہ کا قبول کرنا واجب ہے اور اگر دعوت میں منکرات و فواحش موجود ہوں۔ اور تمہاری حاضری سے وہ ختم نہیں ہو سکتے ہیں تو ایسی صورت میں تمہاری حاضری واجب نہیں۔ اور اگر تمہارے پہنچنے سے وہ منکرات ختم ہو سکتے ہیں تو ایسی صورت میں تمہارا حاضری دینا واجب ہے کیونکہ تمہاری یہ حاضری نہی عن المنکر کے باب میں شمار ہوگی۔ (جو کہ ایک عظیم دینی فریضہ ہے)

بادشاہ بخارا کا پہلا سوال جو کسی کافر اور بدعتی کی دعوت قبول کرنے اور نہ کرنے سے متعلق ہے۔ اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ فرقہ امامیہ سبیئہ سے ملاقات کا حکم بھی کفار کی ملاقات کے حکم میں ہے یعنی اپنی طرف سے سلام نہیں کرنا چاہئے اور اگر ان کی جانب سے کوئی عظیم نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو سلام کیا جا سکتا ہے اور انکے سلام کا جواب بھی بقدر ضرورت دینا چاہئے اور اگر سلام کے علاوہ دوسرے افعال تعظیم (مثلاً قیام اور مصافحہ) مقام مکافات میں (یعنی جواب کے طور پر) خود بھی عمل میں لانا چاہیں تو بقدر مشروع عمل میں لانا چاہئے۔ اور اسی طرح عیادت، تعزیت، تہنیت اور دعوت قبول کرنے میں بھی مکافات ہی پیش نظر رہنا چاہئے جیسا کہ کفار کے بارے میں بھی یہی حکم خوارج اور نواصب کا بھی ہے۔ انتہی۔

ان دلائل و براھین کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دعوت قبول کرنے کے لئے شرعی موانع نہ پائے جائیں، نہ کہ موانع سے توبہ۔ موانع شرعی نہ ہوں تو مدعو شخص کو دعوت قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ موانع کو ترک کرنے والے اور موانع سے توبہ کرنے والے داعی کی دعوت کو رد کرنا، یہ تمام باتیں افراط و تفریط سے خالی نہیں ہیں۔

فائدہ ۷

مُردوں کے لئے زندوں کی جانب سے صدقہ وخیرات اور دُعا کرنے کا حُکم

زندوں کے صدقات وخیرات اوران کی دعائیں مردوں کے لئے نفع بخش ہیں۔ علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفیؒ میں فرماتے ہیں، زندوں کی دعاؤں اور صدقات وخیرات میں اموات کے لئے اجر و ثواب ہے۔ اس مسئلہ میں فرقۂ معتزلہ کا اختلاف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قضا وقدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور ہر شخص اپنے کسب اور عمل کا مرہون ہے اور ہر ایک کو صرف اسی کے عمل کی جزا دی جائے گی نہ کہ دوسرے شخص کے عمل کا بدلہ۔ لیکن ہم اہل سنت وجماعت کا استدلال یہ ہے کہ صحیح احادیث میں اموات کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے اور بالخصوص نماز جنازہ میں میت کے حق میں دعا کرنے کی تاکید آئی ہوئی ہے اور اس پر سلف کا عمل تواارث اختیار کر گیا ہے اگر اس عمل میں اموات کے لئے کوئی نفع نہ ہوتا تو یہ حکم اپنے اندر کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کی نماز جنازہ ایک سو مسلمان ادا کریں اور وہ میت کی مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھانے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتا ہے، حضرت سعد بن عبادہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سعد کی والدہ رحلت کر گئی ہیں لہٰذا ان کی ثواب رسانی کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا۔ پانی۔ اس پر سعد نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا ھذہ لام سعد۔ اس کارِ خیر کا ثواب سعد کی والدہ کو پہنچتا رہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک عالم اور ایک متعلم جب کسی شہر سے گذر جائیں تو اس شہر کے قبرستان سے چالیس روز عذاب کو اٹھا دیتا ہے۔ اس باب میں بے حساب احادیث وارد ہیں۔

اور مولینا شاہ اسحٰق دہلوی "مسائل اربعینؒ" کے اندر ۳۰ ویں مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ۔

حنفی علماء کے نزدیک عبادت بدنی اور

عبادت مالی دونوں کا اجر و ثواب اموات کو پہنچتا ہے
چنانچہ ہدایہ میں مرقوم ہے کہ اہلِ سنت وجماعت
کے نزدیک جائز ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کا ثواب
کسی دوسرے شخص کو پہنچا دے۔ جیسے نماز، روزہ،
صدقہ، خیرات وغیرہ۔

نیز شاہ صاحب کتاب مذکورہ میں فرماتے
ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جامع البرکات
منتخب شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے
کہ عبادت مالیہ کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے اور
عبادت بدنیہ مثلاً نماز اور تلاوت قرآن کا ثواب
پہنچنے کے بارے میں اختلاف ہے لیکن صحیح ترین
موقف یہ ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب بھی اموات
کو پہنچتا ہے جیسا کہ شیخ ابن ہمام نے تصریح کی ہے

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج
النبوۃ کی پہلی جلد کے پانچویں باب میں لکھتے ہیں کہ
قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب اموات
کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا
اختلاف ہے۔ اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ ثواب
نہیں پہنچتا، اور شافعی و مالکی اور حنبلیہ کی ایک
جماعت کے موقف سے متعلق یہی مشہور ہے اور
شوافع و احناف کے اکثر فقہاء کا موقف یہ ہے
کہ تلاوت کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے اور امام
احمد بن حنبل بھی اسی چیز کے قائل ہیں بلکہ امام احمد
سے بھی منقول ہے کہ صدقہ، نماز، حج، اعتکاف،
تلاوت قرآن اور ذکر وغیرہ کا ثواب بھی اموات کو
پہنچتا ہے۔ البتہ امام موصوف نے یہ تصریح کی ہے کہ
قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت بدعت ہے اور شیخ
شمس الدین قسطلانی نے تحریر کیا ہے کہ صحیح موقف
یہی ہے کہ رشتہ دار و اجنبی اور وارث وغیرہ
وارث کی جانب سے تلاوت کا ثواب اموات کو
پہنچتا ہے جس طرح صدقات و خیرات سے اور اجنبی
دعا و استغفار سے اموات کو ثواب پہنچتا ہے۔

امام عبداللہ یافعی نے "تکملہ روض الریا
حین" میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے خواب میں شیخ
عزالدین بن عبدالسلام کو دیکھا۔ کہ فرما رہے ہیں
ہم دنیا میں یہ کہتے رہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب
میت کو نہیں پہنچتا۔ لیکن اب ہم پر یہ حقیقت عیاں
ہو گئی کہ تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے۔ لہٰذا تلاوت کا
ثواب ہم پر پہنچایئے۔

صاحب "درمختار" صلوٰۃ الجنائز کے باب
میں لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص
سورۃ الاخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے اور مردوں کو
ایصالِ ثواب کرے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے کئی ایک
اموات کو اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

امام ربانی مکتوبات کی پہلی جلد کے ۱۰۴ ویں
مکتوب میں فرماتے ہیں کہ مصیبت کسی شخص کے انتقال

کرنے پر نہیں بلکہ انتقال کرنے والے کی حالت پر ہے
کہ اب اسکے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ دعا، استغفار
اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ اسکی امداد کرنی چاہئے
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں میت
کی حالت ڈوبنے والے شخص کی طرح رہتی ہے جو ہر
لمحہ کسی کی مدد کا طلب گار رہتا ہے۔ اسی طرح مردہ
بھی والدین، بھائی اور دوست واحباب کی دعا کا
منتظر رہتا ہے۔ پس جب دعا اسکو پہنچتی ہے تو یہ
چیز اسکے نزدیک دنیا وما فیہا سے زیادہ محبوب ہو
جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہلِ
قبور پر پہاڑوں کے مانند نازل فرماتا ہے۔ بے شک
زندوں کی جانب سے مردوں کے لئے بہترین ھدیہ
یہ ہے کہ ان کی مغفرت کے لئے دعا کی جائے۔

اس مقام پر یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ
صدقہ سے مراد ایسی چیز ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے
حکم سے دی گئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام
نصيباً فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا
فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان
لله فهو يصل الى شركائهم۔ ساء ما يحكمون۔

(اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے
جو (اللہ ہی نے) پیدا کئے ہیں کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر
رکھا ہے اور کہتے ہیں اپنے خیال سے مطابق کہ یہ (حصہ)
اللہ کا حصہ ہے۔ اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا۔ اور پھر
جو (حصہ) ان دیوتاؤں کے لئے ہوتا ہے، وہ اللہ
کی طرف نہیں پہنچتا ہیں۔ اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ
ان کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ کیسا برا ہے
انکا یہ فیصلہ)

صاحب موضح القرآن نے مذکورہ آیت
کے حاشیہ پر یہ فائدہ سپرد قلم کیا ہے۔

کافر اپنی کھیتی میں سے اور مویشی میں سے اللہ
کی نیاز نکالتے ہیں اور بتوں کی نیاز بھی نکالتے ہیں۔
پھر بعض جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو اس کو بتوں
کی طرف کا اللہ کی طرف نہیں بدلتے۔ بتوں سے زیادہ
ڈرتے ہیں۔ اب جاننا چاہئے کہ اللہ کی نیاز دینی یہ
ہے کہ اسکی راہ میں جن کو دلوایا، انکو دینا، اس کا
فائدہ اسکو (اللہ تعالیٰ) نہیں پہنچتا ہے۔ مگر اسکی
حکم برداری ہوئی اور چیز سے فقیر کو فائدہ ہوا، اور
ثواب سے دینے والے کو فائدہ ہوا۔ پھر جو کسی بزرگ
کے واسطے کچھ دے اگر یہ اسی وضع پر (کافروں کی
وضع پر) ہو تو شرک ہے۔ جس پر اللہ نے الزام
دیا ہے۔ مگر اس بزرگ کو اپنی جگہ ٹھہرا دے یعنی
بزرگ کو بزرگ ہی سمجھے اور اپنی طرف سے اللہ کی
راہ میں اللہ نے جن کو دینے کے لئے کہا ہے اُن کو دے
تو یہ حکم برداری اللہ کی ہو گی اور چیز فقیر کو۔ اور
ثواب اسی شخص کے بدل میں اس بزرگ کو ہو گا۔ یا

اس بزرگ کو فقیر کی جگہ ٹھہرا دیں کہ اسکی چیز اسکی کر
جائے پھر اسکی (یعنی فقیر بزرگ کی) چیز لوگوں کے
کام آئے تو اسکو ثواب ہوا۔ یہ صورت مشکوک
ہے۔ پہلی صورت بے شک درست ہے۔

اس مسئلہ میں بعض لوگ بہت غلو کرتے ہیں
اور فرقۂ معتزلہ کی طرح بطور اعتراض یہ کہتے ہیں کہ
مردوں کے لئے ایصالِ ثواب تو کرتے ہو لیکن ایصال
عذاب کیوں نہیں کرتے۔ معاندین اسلام اس قسم
کے طعنے زمانۂ نبوت میں بھی مسلمانوں کو گمراہی میں مبتلا
کرنے اور انہیں ذلیل کرنے کے لئے دیا کرتے تھے اور
بعض افراد یہ کہتے ہیں کہ شیطان، خدا پر غالب آ
جاتا ہے تو مخلوق کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور بعض
نادان یہ کہتے ہیں کہ لیجئے محمد ؐ کا خدا کہتا ہے کہ میرے
محتاج بندوں کو کھانا کھلاؤ اور صدقہ کرو۔ گویا کہ
وہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ مذبوح کے حلال اور میت
کے حرام ہونے پر ہجو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
یہ عجیب بات ہے۔ اپنے ہاتھوں سے ختم کیا ہوا
(مذبوح) جانور کھانا حلال ہے اور خدا کا ختم
کیا ہوا (میت) جانور کھانا حرام۔ اس طرح
کی لغویات و کفریات اور بھی بہت ہیں چنانچہ
تفسیر عزیزی" میں ہے۔

یہ عجیب تماشا ہے کہ بعض لوگ معتزلہ کی
طرح مردوں کے لئے ایصال ثواب کا انکار کرتے
ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ سُنی ہونے کا دعویٰ بھی
ترک نہیں کرتے اور کبھی یہ حکم دیتے ہیں کہ مردوں
کو عبادت بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا۔ اور اس اجتہاد
کے باوجود اپنے مقلد ہونے اور حنفی ہونے کا دعویٰ
بھی نہیں چھوڑتے۔

فائدہ ۸

تعیّن صدقات کا حکم

صدقات میں تعیّنات مشروعہ[1] بھی ہیں اور غیر مشروعہ بھی ہیں۔ شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ شریف" باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:۔

مستحب یہ ہے کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد سات روز تک اسکی جانب سے صدقہ و خیرات کیا جائے اور صدقہ و خیرات کرنے سے میت کو اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ اور اس باب میں صحیح احادیث بالخصوص پانی صدقہ کرنے کے بارے میں وارد ہیں۔

اور صاحب زاد الآخرۃ "شرح برزخ" اور کنز العباد" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مومن کے لئے قبر کی آزمائش اور فتنہ سات دن تک ہے اور گنہگار کے لئے چالیس روز تک ہے۔ اگر میت کے گھر والے صاحب استطاعت ہوں تو چالیس روز تک ایصال ثواب کی نیت سے میت کے حق میں صدقہ و خیرات کرتے رہیں۔ اور اگر صاحب استطاعت نہ ہوں تو سات دن تک صدقہ و خیرات کرتے رہیں ورنہ کم از کم تین دن تک ضرور صدقہ و خیرات کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نیز زاد الآخرۃ" کے مصنف لکھتے ہیں کہ اہل مصیبت یعنی میت کے گھر والوں کے لئے یہ بات مکروہ نہیں ہے کہ وہ تین دن تک فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات کے لئے کھانا تیار کریں اور خود بھی استعمال کریں۔ لیکن ان ایام مصیبت یعنی تین دن کے اندر رشتہ دار اور خویش و اقارب کے لئے کھانا پکانا اور اقرباء و اصحاب کا کھانا دونوں چیزیں مکروہ ہیں اور تین یوم گذرنے کے بعد میت پر ایصالِ ثواب کے لئے ہو، یا بر سبیل ضیافت کھانا تیار کرتے ہیں، اور اغنیاء و فقراء کو کھلاتے ہیں، یا اُن کے ہاں کھانا بھیجنے میں کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ اغنیاء کو صدقہ دینے میں بھی ثواب ہے لیکن فقراء و مساکین کو صدقہ دینے میں زیادہ اجر و ثواب ہے چنانچہ شرح البرزخ الالی الفاخرۃ فی تذکرۃ الآخرۃ

[1] جو التزام جو موافق شریع شریف کے ہوں۔

میں مرقوم ہے اس لئے کہ اموات کے لئے جو صدقہ وخیرات کیا جاتا ہے وہ صدقات واجبہ کی قسم سے نہیں ہے کہ محض فقراء و مساکین ہی کا حق ہو اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے جائز نہ ہو۔ بلکہ اموات کا صدقہ نفل و تطوع کی قسم سے ہے لہٰذا فقراء کے علاوہ دیگر افراد اور اغنیاء وغیرہ کو بھی دینا جائز ہے۔

بحر ذخار۔ میں کہا گیا ہے کہ میت کے گھر والوں کا لوگوں کے واسطے کھانا تیار کرنا بدعت ہے۔ اور اسکا جواز کسی سے منقول نہیں۔ تین دن تک ضیافت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مصیبت، حزن اور تاسف کے دن ہیں۔

لہٰذا جو کام بھی خوشی و مسرت کے لوازم سے ہو اسکو ان دنوں میں انجام دینا غیر مناسب ہے۔ البتہ فقراء و مساکین کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اس میں ایک شرط یہ ہے کہ میت کے وارث بالغ اور مالدار ہوں اور وہ حاضر ہیں ورنہ میت کے ترکہ سے ضیافت کا اہتمام نہ کریں جیسا کہ "بحرالرائق" "تاتارخانی"، "فتح القدیر" اور "فتاوی قاضی خان" میں مسطور ہے۔

اور "فتاوی عالمگیری" میں ہے کہ تین دن تک ضیافت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور "خزانۃ المفتیین" میں مرقوم ہے کہ میت پر ایصال ثواب کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسکو کھانے کے لئے جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ان لوگوں کے اس فعل سے بری ہیں جو تین دن مکمل ہونے سے پہلے مصیبت کا کھانا کھا لیتے ہیں۔

اور "شرح البرزخ واللآلی الفاخرۃ فی تذکرۃ الآخرۃ" میں مذکور ہے کہ موتیٰ کے کھانے پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے کیونکہ اس میں بعض کفار کے ساتھ مشابہت ہے۔

اور "خزانۃ الروایات" میں مسطور ہے کہ ضیافت مکروہ ہے جب کہ اس میں صرف اغنیاء اور اقرباء کو مدعو کیا جائے اور فقراء و مساکین اور ضعفاء کو محروم رکھا جائے۔

نیز "خزانۃ الروایات" میں مرقوم ہے کہ کسی شخص کے انتقال کی مصیبت اور حزن کے موقعہ پر دوسرے اور تیسرے دن دعوت کرنا بدعت ہے اور یہ عمل صحابہ کرام اور حضرات تابعین سے ثابت نہیں ہے۔

اور "شرح سفر السعادۃ" میں مسطور ہے کہ اہل میت کے لئے جائز نہیں کہ وہ تعزیت کے لئے حاضر ہونے والوں کی دعوت کریں۔ لیکن بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے جب کہ تعزیت کنندگان دور دراز علاقہ سے آئے ہوں اور ایک

طویل مدت تک ٹھہرنے والے ہوں۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت جان لینی چاہئے کہ عبادت، غیر مشروع کی تخصیص کی وجہ سے بدعت ہوتی ہے۔ خواہ یہ تخصیص زمان و مکان میں ہو خواہ دیگر وجوہ میں، جیسا کہ اصول میں مقرر ہے۔

اس لئے مولینا شاہ اسمٰعیل دہلویؒ صراط مستقیم کے دوسرے باب میں فرماتے ہیں۔

ہر وہ عبادت جو مسلمان سے ادا ہو، اور اسکا ثواب وفات یافتہ اشخاص میں سے کسی شخص کی روح پر پہنچائیں تو یہ فعل خود اپنی جگہ معتبر اور مستحسن ہے اور ایصال ثواب کا طریقہ بارگاہ الٰہی میں دعائے خیر اور مغفرت ہے۔ اور وہ شخص جسکی روح پر ایصالِ ثواب کیا جا رہا ہے اگر وہ اہلِ حقوق میں شامل ہے تو اسکے حق کی مقدار میں اس ثواب کا پہنچانا مستحسن اور زیادتی ثواب کا باعث ہوگا۔ لہٰذا عرس و فاتحہ اور اموات کی نذر و نیاز کے مراسم کا اس قدر درست اور ٹھیک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

اوقات کا تعیّن اور کھانے کی قسم اور اسکی وضع اور کھانے والے یہ تمام امور قباحت سے خالی نہیں ہیں بناربکی پر تاریکی کے مصداق ہے۔ اور قباحت کے مراتب میں بہت فرق اور تفاوت ہے۔

اور مولینا شاہ اسحاق دہلوی مائۃ المسائل کے سولھویں سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ۔

چہلم کی فاتحہ کے لئے یوم کی تخصیص اس اعتقاد کے ساتھ کہ چالیس روز سے پہلے یا چالیس روز کے بعد فاتحہ کی گئی تو کھانے کا ثواب میت کو نہیں پہنچے گا، یا یہ اعتقاد کہ چالیسویں روز ہی فاتحہ کرنے میں میت کو بہت زیادہ ثواب پہنچے گا، یہ ناجائز اور غلط اعتقاد ہے۔

نیز شاہ صاحب اس کتاب میں فتح القدیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اہلِ میت کے لئے یوم کی تخصیص کے ساتھ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔ چہلم ہو یا سوم، یا دسواں وغیرہ۔ لہٰذا اس کام کے لئے کسی ایک دن کی تخصیص اور تعیّن مکروہ ہوگی اور کھانا صدقہ دینا اور اسکا ثواب میت کو پہنچانا جائز ہے اور یہ کسی دن پر موقوف نہیں اور میت پر ایصالِ ثواب کے لئے کسی ایک روز کا تعین کرنا اس اعتقاد کے ساتھ کہ اسی روز ثواب زیادہ پہنچے گا اور دوسرے دنوں میں اس قدر ثواب نہیں پہنچے گا۔ اس قسم کا خیال غلط ہے۔

سالانہ صدقہ کی تعیّن میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے (یاتی قبور الشہداء علی رأس کل حول) کی حدیث کی رو سے روز وفات کی تعیین کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ سالانہ صدقہ کی تعیین کو جائز قرار دیا ہے۔

یہ حدیث شریف ابن جبیر کی کتاب میں موجود ہے اور اکثر علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے سالانہ صدقہ کی تعیین کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ حدیث نبوی صحاح میں موجود نہیں ہے اور ابن جبیر کی کتاب میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ مذکورہ حدیث متصل الاسناد اور مرفوع بھی نہیں ہے لہٰذا صحیح بھی نہیں ہے اور یہ حدیث مجمل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ راس کل حول سے مراد اول سال یعنی اول محرم ہے یا رحلت شدہ شخص کی وفات کا اول سال ہے اور مجمل سند و حجت کے قابل نہیں جیساکہ اصول میں مذکور ہے۔ کذا فی ماۃ المسائل۔

شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی کتاب ماثبت بالسنۃ فی الایام والسنۃ، میں ماہ ربیع الثانی کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہمارے شہروں میں یہ جو عرف عام ہے کہ مشائخ کرام کی وفات کے ایام میں عرس مناتے ہیں۔ اسکی کوئی شرعی بنیاد ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ میں نے اپنے شیخ امام عبد الوہاب المتقی المکی سے اسکے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

یہ چیز مشائخ کرام کے طریقوں اور ان کے عادات واطوار سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں ان کی نیتیں اصل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تمام دنوں کو چھوڑ کر وفات کے دن کی تخصیص کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ اس پر فرمانے لگے کہ ضیافت تو علی الاطلاق مسنون ہے۔ لہٰذا یوم کی تخصیص سے قطع نظر کیجئے اسکے لئے تو اور بھی مثالیں ہیں جیسے نمازوں کے بعد بعض مشائخ کرام کا مصافحہ کرنا، اور یوم عاشورہ میں سرمہ لگانا۔ بے شک مصافحہ کرنا اور سرمہ لگانا سنت ہے لیکن تخصیص کی وجہ سے بدعت ہے۔ اسکے بعد مزید ارشاد فرمایا۔ مغرب کے مشائخ متاخرین نے کہا ہے کہ سارے ایام کے مقابلہ میں وفات کے دن زیادہ خیرات و برکات اور نورانیت کی امید ہے۔ پھر شیخ محترم عبد الوہاب متقی نے اپنے سر کو جھکائے رکھا اور سر اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ یہ چیزیں سلف کے زمانے میں نہیں تھیں بلکہ یہ متاخرین کے مستحسنات ہیں۔

یہاں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ اکثر علمائے کرام نے ابن جبیر رض کی حدیث (یأتی قبور الشہداء علی راس کل حول) کو ضعیف کہا ہے۔ اور ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ جیساکہ "شرح سفر السعادۃ" اور "رد المختار" میں ہے۔ اس بنا پر محبوب الٰہی شیخ نظام الدین بداؤنی قدس سرہ الاولیاء شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی

زبدۃ العرفاء خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز،
ولی کامل مکمل شیخ بہاؤ الدین ذکریا، اور اس علاقہ
کے اکثر شہروں کے علمائے کرام اور اولیائے عظام نے
آباؤ اجداد اور اساتذہ و مشائخ کے حقوق کی ادائیگی
کے خیال سے عرس اور فاتحہ کا اہتمام کیا۔ قدس
اللہ اسرارہم۔

غرض غیر مشروع کی تعیین (تاریخ سوم،
دہم، چہلم، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ یا جو بھی روز
اور تاریخ ہو) اگر اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ تعیین
وتخصیص ثواب کا باعث یا ثواب میں زیادتی کا باعث
ہے تو یہ فکر اور عمل مکروہ ہے (ورنہ جائز ہے)۔
جیسا کہ نمازوں میں کسی سورۃ یا آیت کی تخصیص
اس اعتقاد کے ساتھ کہ انکے علاوہ دوسری آیت یا
سورۃ کی تلاوت جائز نہیں ہے تو یہ فکر اور عمل مکروہ
ہے اور اگر کسی سورۃ یا آیت کی تخصیص و تعیین اس
اعتقاد کے ساتھ ہو کہ ان کے برخلاف دوسری سورۃ
یا آیت کی تلاوت جائز ہے تو یہ فکر اور عمل مکروہ
نہیں ہے۔ جائز ہے۔

دستور القضاۃ کے مصنف باب
دوم میں "لکھتے ہیں کہ کتاب ظہیریہ میں مرقوم ہے کہ
قرآن کی آیات کی تعیین اگر اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ
اسکے بغیر بھی جائز ہے تو اس میں حرج نہیں اور کتاب
شاہان فی الفروع میں ہے کہ اگر یہ اعتقاد ہو کہ
ان آیات کے علاوہ دیگر آیات کی تلاوت بھی
جائز ہے تو ٹھیک ہے۔ تعیین کا مقصد اسکی
سہولت ہے تو کراہت نہیں بلکہ ایسا کرنا تو
مستحب ہے۔ کیونکہ وہ "ما تیسر من القرآن"
کی تلاوت کرنے کا پابند ہے اور جو چیز سہل
اور یسر میں داخل ہے۔ وہ افضل ہوگی۔

تعیین میں موجب ثواب اور زیادتی
ثواب کے اعتقاد کے ساتھ طعام صدقہ کو قبول
کرنا علماء و فضلاء کے لئے مکروہ ہے۔ عوام
کے لئے نہیں چنانچہ مولینا شاہ اسحٰق مہاجر مکی
مائۃ المسائل کے ۵۱ ویں سوال کے جواب
میں "نوادر الفتاوی" کے باب کراہیت و
استحسان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کسی شخص
کے مرنے کے بعد جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے کھانے
کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔ تین روز، ہفتہ
مہینہ اور سالانہ وغیرہ کا کھانا علماء و فضلاء اور اکابر
حضرات کے لئے مکروہ ہے۔ عوام کے لئے کراہت
نہیں ہے۔ ہاں اغنیاء کے ساتھ تشبیہ کراہت
پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ سند العلماء شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی ایک سوال کے جواب میں رقمطراز
ہیں کہ۔

حضرات امامین حسنین علیہما السلام
کی نذر و نیاز کا کھانا جس پر سورۃ فاتحہ، سورۃ الاخلاص

اور درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ کھانا جائز ہے کیونکہ وہ تبرک ہے۔ لیکن اس کھانے کو تعزیہ اور علم کے پاس لیے جانے سے اور وہاں رات بھر رکھنے سے بلکہ حقیقی قبروں کے پاس لیے جانے سے کفار کے عمل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اسکے اندر کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اگر یوم کی تعیین و تخصیص وقت دعا کی یاد داشت کے لئے ہے تو مکروہ نہیں ہے لیکن اسی روز کو لازم کر لینا بدعت ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

زیارت قبور کے لئے دن معین اور مخصوص کرنا بدعت ہے۔ اور اصل زیارت جائز ہے۔ وقت کی تخصیص و تعیین سلف کے زمانے میں نہیں تھی۔ یہ بدعت اسی قبیل کی ہے کہ اسکی اصل جائز ہے۔ اور وقت کی تخصیص بدعت ہے جیسا کہ ملک توران وغیرہ میں بعد نماز عصر مصافحہ کا رواج ہے۔ اگر عرس کا دن میت کے حق میں دعا کرنے اور ایصال ثواب کے لئے اور وقت کی یاد دہانی کی خاطر ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اسی دن کو لازم کر لینا بھی بدعت ہے اور اسی سبب سے جسکی تفصیل ابھی اوپر گذری۔

مذکورہ دلائل و شواہد سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ تعیین اور تخصیص اگر آسانی کے واسطے ہو یا یاد داشت کے خاطر ہو، یا تعیین سے قطع نظر ہو اور اس میں موجب ثواب یا ثواب میں زیادتی کا اعتقاد نہ ہو تو تعیین و تخصیص میں کراہت نہیں ہے۔

نیز یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ دعوت قبول کرنے میں مانع محرمات اور مشتبہات ہوتے ہیں چنانچہ اسکی تفصیل چھٹے مذاکرہ میں گذر چکی ہے۔ ہر چند کے مکروہات، قباحت سے خالی نہیں ہوتے اور اجر و ثواب میں نقصان اور کمی کا باعث ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی قباحت اس درجہ کی نہیں ہوتی ہے کہ وہ دعوت قبول کرنے میں محرمات کی طرح مانع ہو جاتے ہیں۔ صاحب الاشباہ والنظائر فی الکتاب الحظر و الاباحۃ، نے بڑی عمدہ بات کہی کہ ہمارا دور شبہات سے اجتناب کرنے کا نہیں ہے جیسا کہ خانیہ اور تجنیس میں بھی مرقوم ہے۔ اور حضرت حموی اس قول "لیس زماننا زمان الشبہات" کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بن ابراہیم رح سے ان شبہات سے متعلق سوال کیا گیا جو حرام سے قریب ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ زمانہ شبہات کی تفتیش کے درپے ہونے کا نہیں ہے۔ ہمارے لئے حرام سے بچے رہنا ہی کافی ہے۔ چنانچہ تجنیس میں مرقوم ہے۔

یہ تو اس زمانے اور مسلم حکومت کا حال ہے

مسلمانوں کے اس دورِ غربت میں اور انگریزوں کی حکومت میں مشتبہات سے کیا اجتناب کیا جا سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں بعض ناوانوں کی افراط و تفریط دیکھنے کے لائق ہے کہ خود حرام لقمہ کھانے سے پرہیز نہیں کرتے لیکن صدقات مکروہ اور غیر مکروہ کو شدید ترین حرام خیال کرتے ہیں (حالانکہ صدقۂ مکروہ کے اندر ثواب کی کمی ہے یہ نہیں کہ وہ ثواب ہی سے خالی ہے) اور اس ظنِ فاسد کی وجہ سے ایک عالم کو صدقات کے کھانے اور کھلانے سے مانع اور حائل ہو رہے ہیں اور صدقہ دینے والوں کو ثواب سے محروم کر رہے ہیں تو فقراء و مساکین کو رزق سے محروم کر رہے ہیں۔ اگر کسی درخت پر غبار چھایا ہوا ہے تو اسکو دور کرنا چاہئے نہ کہ درخت ہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔

اور طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ اس خیالِ خام کی وجہ سے اس قسم کی دعوت قبول کرنے پر بحر العلوم عبد العلی انصاری لکھنوی اور سند العلماء شاہ عبد العزیز دہلوی اور سید واعظ مولینا سید احمد مجاہد اور مولینا ارتضاء علی خان صفوی اور دیگر علماء و مشائخ کو جنکے تعلق سے نیک گمان ہی کیا جا سکتا ہے طعنہ دے رہے ہیں اور ان گذرے ہوئے علماء پر طعن و تشنیع سے دینی مسائل کے اندر ان نادانوں کی جہالت و ناواقفیت ظاہر ہو رہی ہے اور ان کے بے ادب اور شوخ و گستاخ ہونے کا ثبوت مل رہا ہے۔ سولھویں مقدمہ میں تعزیر بے ادبی پر تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

فائدہ ۹

نذر و نیاز کا حکم

مخلوق زندہ ہو یا مردہ۔ اسکی نذر حرام ہے نذر خواہ ماکولات کی ہو یا مشروبات کی ہو۔ یا نقود کی ہو۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لئے عبادت جائز نہیں۔

صاحب فتاوی البحر یہ۔ فرماتے ہیں مخلوق کی نذر حرام ہونے پر اجماع ہے۔

فتاوی عالمگیری میں مرقوم ہے کہ وہ نذر جس میں اکثر عوام مبتلا ہیں۔ یہ ہے کہ کسی ولی اللہ کی قبر پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور مزار کا غلاف پکڑ کر عرض کرتے ہیں۔ یا سیدی فلاں، اگر میری مراد پوری ہو جائے تو میری جانب سے آپ کو سونے کی یہ چیزیں پیش کرونگا۔ اس طرح کی نذر باطل ہونے پر اجماع ہے یہاں! اگر یہ کہا جائے کہ یا اللہ میں نے تیری نذر کی ہے اگر تو میرے فلاں مریض کو شفا عطا فرمائے یا میری فلاں مراد پوری کر دے تو میں سیدہ نفیسہ ریا کسی اور بزرگ کا نام لے کر) کی درگاہ شریف کے پاس بسنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، یا مسجد کے لئے فرش یا چراغ جلانے کے لئے تیل دونگا یا اس شخص کو روپیہ دونگا جو مسجد کی خدمت کرتا ہے تو درست ہے۔ اس لئے کہ یہ ان اشیاء میں سے ہیں جن کا فائدہ فقراء کے لئے ہے اور نذر اللہ تعالیٰ کے لئے، اور ولی کا ذکر نذر میں اس لئے جائز ہے کہ وہ مستحقین نذر پر نذر کو خرچ کرنے کا محل ہیں لیکن نذر کا مصرف صرف فقراء ہیں۔ اور نذر ذی علم اور شیخ کی درگاہ پر حاضر ہونے والوں پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر جب کہ یہ فقیر و محتاج ہوں تو جائز ہے۔ اور جو کچھ دراہم وغیرہ لے جا رہے ہیں وہ معلوم ہوں۔

اور اولیاء اللہ کی مزارات پر اولیاء اللہ کے تقرب کے اعتقاد سے جو چیزیں لے جاتے ہیں انکے حرام ہونے پر اجماع ہے۔ بیک قول جب تک کہ نذر میں محلہ کے فقراء و مساکین پر اس مال کے خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا گیا ہو اور عوام کی اکثر بیشتر اسی غلطی میں مبتلا ہے۔

فقہائے کرام کے ان اقوال سے اتنی بات

واضح ہے کہ نذر اگر بالاستقلال کسی ولی کے لئے ہے تو یہ باطل ہے اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور ولی کا ذکر مصرف کے بیان کے واسطے ہو تو یہ نذر صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں مولینا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس امت میں ارواح سے استعانت طلب کرنا ثابت سے واقع ہے۔ اس امت کے جہلا اور عوام جو ہر کام میں اولیاء اللہ کو مستقل فاعل سمجھ لیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ شرک جلی ہے۔ حاجات اور مرادیں پوری ہونے کے لئے اولیاء اللہ کی جو نذریں مانی جاتی ہیں وہ معمول اور مرسوم ہیں۔ اکثر فقہائے کرام نے ان کی حقیقت اور نوعیت کو کما حقہ سمجھنے اور جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اور اولیاء اللہ کی نذر کو اللہ کی نذر پر قیاس کرتے ہوئے اس پر حکم لگا دیا نذر اگر بالاستقلال ولی کے واسطے ہو تو یہ* صحیح ہے۔ لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ میت کی روح کو انفاق مال اور اطعام طعام کے ثواب کا ھدیہ پہنچایا جائے اور یہ صحیح احادیث کی رو سے ایک امر مسنون ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ام سعد وغیرھا کے بارے میں وارد ہے اور ایسی نذر پوری کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس نذر کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر آپ کو نذر مانی ہو تو اس طرح کہیں۔ اھدی ثواب ھذہ النقد الی روح فلان۔ اس چیز کا ثواب مجھ فلاں بزرگ کی روح کو پہنچاتا ہوں۔ ایسی صورت میں ولی کا ذکر عمل منذور کے تعین کے واسطے ہے۔ نہ کہ مصرف کے واسطے اور اس نذر کا مصرف، نذر کنندگان کے پاس اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں مثلاً اقارب، خدام اور ہم سلسلہ اشخاص وغیرہ

بے شک۔ نذر کنندگان کا مقصد یہی ہے تو اس نذر کا شرعی حکم یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے۔ اور اسکا پورا کرنا واجب ہے اور اس لئے کہ شریعت مطہرہ میں یہ معتبر قربت اور صحیح تقرب ہے

* یہاں ہے اور اگر اللہ کے واسطے ہو اور ولی کا ذکر صرف مصرف کے واسطے ہو تو صحیح ہو

ص۱ ترجمہ حاشیہ۔

مسئلہ نذر میں مولینا شاہ اسمٰعیل دہلوی اپنے چچا مرشد مولینا شاہ عبد العزیز دہلوی سے موافقت رکھتے ہیں چنانچہ صراط مستقیم کے دوسرے باب میں فرماتے ہیں جسکا ماحصل یہ ہے۔

اولیاء اللہ کی نذر و نیاز اگر اس وضع اور طریقہ پر پوری کی جائے کہ اس میں شرک خفی مال کا اسراف اور متعدد وجوہ سے بدعات کا اختراع نہ ہو تو نذر و نیاز مستحسن اور مستحب ہے اور وہ شریعت مطہرہ کے حکم کے موافق ہے۔ ترجمۂ حاشیہ ص۵۲ فصل الخطاب۔

ہاں! اگر اس ولی کو بالاستقلال حلال مشکلات یا شفیع غالب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے تو یہ عقیدہ شرک اور فساد تک پہنچانے والا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا علیحدہ چیز ہے اور نذر ایک علیحدہ چیز۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ نذر کا لفظ ھدیہ وغیرہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ چنانچہ صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں۔

نذر بفتح نون اور سکون ذال معجمہ پیمان کے معنی میں ہے اور نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی جانب سے کسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لے مثلاً روزہ رکھنا، اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا، بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا کھلانا وغیرہ۔

اور وہ نقد وجنس جو امراء اور سلاطین کی خدمت میں ملاقات کے وقت پیش کرتے ہیں وہ بھی نذر ہے۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے۔ نذر شمار سید۔ تمہاری نذر پہنچی اور مولینا شاہ اسمٰعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کے صحیح ہونے میں شک اور شبہ نہیں۔

اور بادشاہوں کی خدمت میں جو چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ تمام عبادت کے معنی میں نہیں ہیں بلکہ ھدیہ کے معنی میں ہیں۔ مسئلہ نذر کے تعلق سے لوگ ایک دوسرے کے بزرگوں پر جو طعن و تشنیع کر رہے ہیں اس سے ہر فریق کی نادانی و جہالت اور نفسانیت ظاہر ہو رہی ہے۔

فائدہ نمـ ۱

آدمی کے جھوٹے کا حکم، مُشرک اور کتابی کے ذبیحہ کا حکم، اور ان دونوں کے ذبیحہ کے کھانے کا حکم!

آدمی کا جھوٹا پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ جنبی (جنابت والا شخص) ہو یا حائضہ گھوڑے کا جھوٹا، اور ہر اس حیوان کا جھوٹا پاک ہے جسکا گوشت کھانا حلال ہے۔ جیسا کہ ترجمۃ الھدایہ اور اسکے علاوہ دیگر کتابوں میں مرقوم ہے

کتا، خنزیر اور چیر پھاڑ کر کھانے والے جانوروں کا جھوٹا نجس ہے۔ بلی اور گلی کوچوں میں پھرنے والا مرغ اور چیر پھاڑ کر کھانے والے پرندوں کا جھوٹا اور گھروں میں رہنے والے جانوروں مثلاً چوہا وغیرہ کا جھوٹا مکروہ ہے۔

خچر اور گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے اگر پاک پانی موجود نہ ہو اور آب مشکوک موجود ہو تو وضو کے بعد تیمم کیا جائے یا اسکے برعکس (تیمم کے بعد وضو) عمل کیا جائے اور ہر جانور کے پسینہ کا حکم اسکے جھوٹے کا ہی حکم رکھتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں ایسا ہی مرقوم ہے۔

اس سے یہ بات جان لینی چاہئے کہ مُردار حرام ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ انما حرم علیکم المیتۃ۔ اور ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ یا کتابی۔ لہٰذا ایک مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اور اسی طرح ایک کتابی کا ذبیحہ بھی حلال ہے اگرچہ کہ وہ حربی ہو۔ اور اسی طرح کا قریب (یہودی ہو یا نصرانی) اور تغلبی[1] کا ذبیحہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرے کیونکہ قرآنِ کریم میں وارد ہے۔ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔

[1] تاکو فتح، لام کو کسرہ اور غین کو سکون کے ساتھ پڑھا جائے۔ تغلب ایک قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام ہے اور جو شخص بھی اس قبیلہ کی طرف منسوب ہے اسکو تغلبی کہتے ہیں۔ اس قبیلہ کا شمار عیسائیوں میں ہوتا ہے ترجمہ۔ حاشیہ صـ ۵۲ فصل الخطاب۔

اے مسلمانو! اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے جیسا کہ ترجمۃ الہدایۃ میں مرقوم ہے۔ لیکن بہتر اور مناسب یہی ہے کہ انکا ذبیحہ نہ کھایا جائے جیسا کہ طحطاوی میں مرقوم ہے۔ اور اہل کتابی حربی، کافر عربی) کے علاوہ دوسروں کا ذبیحہ کھانا حرام ہے۔ اور ذبیحہ کے سوا کافر کتابی یا غیر کتابی کا کھانا حلال ہے اور اکثر فقہائے کرام کا یہی موقف ہے۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا انما المشرکون نجس۔ مشرکین نجس ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر حسینی فرماتے ہیں۔

بجز اسکے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ مشرکین باطنی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی وجہ سے نجس اور پلید ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ لوگ نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے ہیں۔ یا جنابت کا غسل نہیں کرتے اور حضرت ابن عباس سے کہتا ہے کہ مشرکین کتوں کی طرح نجس العین ہیں۔

امام ربانی مکتوبات کی تیسری جلد کے ۲۲ ویں مکتوب میں ملا مقصود علی تبریزی کو لکھتے ہیں کہ یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ تفسیر حسینی ارسال کرنے کا مقصد کیا تھا۔ صاحب تفسیر انما المشرکون نجس کی تفسیر آئمہ احناف کے مسلک کے مطابق کرتے ہیں۔ اور مشرکین کے نجس ہونے کا سبب، انکے باطن کی خباثت اور اعتقاد کی گندگی قرار دیتے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد جو بات وہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نجاستوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ اگر مشرکین کے نجس ہونے کی صرف یہی ایک علت ہے تو یہ چیز آج اکثر اہل اسلام میں بھی موجود ہے۔ اس حیثیت سے اہلِ ایمان کے عوام اور کفار و مشرکین کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر نجاسات سے اجتناب نہ کرنا ہی آدمی کے نجس ہونے کا سبب ہے تو پھر معاملہ تنگ ہو جائیگا اور اسلام میں سختی و تنگی اور حرج نہیں ہے۔ لا حرج فی الاسلام۔

اور صاحب تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول "مشرکین کتوں کی طرح نجس ہیں" جو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے وہ توجیہہ اور تاویل کا متقاضی ہے اور یہ شواذ کی قسم سے ہے۔ اس طرح کے اقوال بزرگانِ کرام سے بکثرت منقول ہیں۔ مشرکین کیونکر نجس العین ہو سکتے ہیں۔ جبکہ سرور دین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک یہودی کے گھر کھانا کھایا اور طہارت کے لئے ایک مشرک کے برتن کا پانی استعمال فرمایا۔ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ایک آتش پرست عورت

سے برتن کے پانی سے طہارت حاصل کی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ انما المشرکون نجس والی آیت کریمہ متاخر ہو اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حضرت فاروق رضی کے اثر کے لئے ناسخ ہو؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ کے لئے واضح ثبوت چاہیئے صرف احتمال اور محض گمان کافی نہیں بلکہ آیت کے مؤخر ہونے کو ثابت کیا جائے تاکہ نسخ کے دعویٰ میں صحت پیدا ہوسکے۔ اس لئے کہ خصم، مدعی کے تعیین میں اپنے بیان کا التزام، استفسار کے بعد ہی کرے گا۔ اس سے قبل نہیں!

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی آیت کریمہ مؤخر ہے تو اس صورت میں بھی تحریم ثابت نہیں ہوگی اور نجاست سے مراد باطن کی خباثت اور گندگی ہوگی کیونکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ کسی بھی پیغمبر نے کوئی ایسا کام انجام نہیں دیا جو بالآخر اسکی شریعت میں، یا دوسرے پیغمبر کی شریعت میں وہ کام حرام قرار پایا ہو، اگرچہ کہ اس کام کو انجام دینے کے وقت وہ مباح ہی رہا ہو، چنانچہ شراب جو شروع میں مباح تھی اور آخر میں حرام ہوگئی لیکن کسی پیغمبر نے شراب کو استعمال نہیں کیا۔

اگر مشرکین بالآخر ظاہری اعتبار سے نجس قرار پائے اور کتوں کی طرح نجس عین قرار دئے جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں ہرگز ان کے برتنوں کو مسک نہیں چھوتے چہ جائیکہ آپ ان کا کھانا کھاتے اور ان کا پانی استعمال فرماتے۔

نجاست کے مسئلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ نجس عین ہر وقت نجس عین ہے اس میں اباحت سابق اور لاحق کی کوئی گنجائش نہیں اگر مشرکین نجس عین ہوتے تو آغاز وحی سے ہی نجس عین ہونا چاہیئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آغاز ہی سے ان کے ساتھ ان کی اس حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے معاملہ فرماتے حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو پھر وہ نجس عین بھی نہیں تھے۔

نیز دین کے اندر سختی وتنگی اور حرج کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اور آپ کی ذات گرامی سے یہ بات

مولینا شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی ترجمہ مشکوٰۃ "باب اللباس" میں تحریر کیا ہے کہ ایک حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ منسوخ کرنا کوئی پسندیدہ اقدام نہیں۔ کیونکہ نسخ میں اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ ناسخ، منسوخ سے مؤخر ہے۔ لہٰذا اس باب میں قائل کو محض گمان اور احتمال کافی نہیں ہے۔

ترجمہ حاشیہ ص ۵۳ فصل الخطاب۔

پوشیدہ نہیں کہ مشرکین کے حق میں نجس ہونے کا حکم دینا اور ان کو نجس عین خیال کرنا مسلمانوں پر کس قدر سختی اور تنگی پیدا کرتا ہے اور ان کو کس قدر تکلیف و مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ آئمہ احناف کے ممنون و مشکور رہنا چاہئے کہ انہوں نے اجتہاد و استنباط اور استحسان کے ذریعہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کے لئے خلاصی اور رہائی کا راستہ ہموار کیا اور حرام کے مرتکب ہونے سے بچا لیا ان آئمہ اور بزرگان کے احسان مند رہنا چاہئے نہ کہ ان پر طعن و تشنیع کی جائے اور ان کے فضل و کمال اور ہنر کو عیب و نقص خیال کیا جائے۔ مجتہد پر اعتراض کی کیا گنجائش؟ اسکی خطا بھی ایک درجہ ثواب کی مستحق ہے اور اسکی تقلید اگرچہ کہ خطا ہی میں کیوں نہ ہو۔ نجات کا باعث ہے

اور جو علمائے کرام کفار و مشرکین کے کھانے اور پانی کے استعمال کو حرام قرار دیتے ہیں خود ان کا اس چیز سے محفوظ رہنا عادتاً ناممکن اور محال ہے اور بالخصوص ہندوستان میں تو یہ ابتلاء اور مصیبت زیادہ ہے۔ لہٰذا ایسا مسئلہ جو عموم بلوی (یعنی وہ مصیبت جس میں سبھی گرفتار ہوں) کی حیثیت اختیار کر گیا ہو اسکے اندر مناسب یہی ہے کہ فتوی بہت آسان دینا چاہئے اگرچہ کہ اپنے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایسے مسئلہ کے اندر آئمہ اربعہ میں سے جس امام کا مذہب سہل ترین نظر آئے اسی کے مطابق فتوی دینا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا یرید اللہ ان یخفف عنکم۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے۔ کی رو سے مسلمانوں کو سختی و تنگی اور حرج میں مبتلا کر دینا اور ان کو رنج و کلفت میں ڈال دینا حرام ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔

بعض مسائل جن میں امام شافعیؒ کا موقف قدرے سخت ہے۔ ان میں شافعی علماء حنفی مذہب کی روشنی میں فتوی دیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے آسانی اور سہولت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ کے مصارف میں صدقہ کو زکوٰۃ کی تمام اقسام پر تقسیم کرنا چاہئے جن میں سے ایک قسم تالیف قلوب بھی ہے جو اس دور میں مفقود ہے، شافعی علمائے کرام، حنفی مذہب کے مطابق فتوی دیتے ہیں اور ان اصناف میں سے مؤلفۃ قلوب کے بجائے جس صنف کو دیں کافی قرار دیتے ہیں۔

نیز اگر مشرکین نجس عین ہیں تو ایمان لانے کے بعد بھی وہ نجس عین رہیں گے، لہٰذا اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی نجاست اعتقاد تک

گندگی کی وجہ سے ہے جو ایک زائل ہونے والی چیز ہے اور اندرونی نجاست، بیرونی نجاست سے بر سر پیکار ہیں یعنی چنانچہ یہ بات ایک کمینہ شخص اور ایک شریف شخص سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دونوں ظاہر کے اعتبار سے ایک ہی طرح نظر آتے ہیں لیکن باطن کے اعتبار سے مختلف اور متضاد ہیں۔

نیز انما المشرکون نجس والا کلام حسن استعلام مشرکوں کی حالت کی خبر دے رہا ہے (یعنی اخبار ہے انشاء نہیں) اور اخبار میں ناسخیت اور منسوخیت کا کوئی کام نہیں کیونکہ نسخ کسی حکم شرعی کے انشاء میں ہوتا ہے۔ اخبار میں نہیں۔

پس چاہیئے کہ مشرکین ہر وقت نجس ہی ہوں اور نجاست سے مراد اعتقاد کی گندگی رہے تاکہ دلائل میں تعارض اور تصادم نہ ہو اور انکا چھونا کسی بھی وقت میں حرام نہ ہو۔ جس دن نقیر نے اس مبحث میں آیت کریمہ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ (اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے) پڑھی تھی تو آپ نے اسکے مقابلہ میں کہا تھا کہ آیت شریفہ میں طعام سے مراد گیہوں، چنا اور مسور کی دال ہے۔ اگر اس توجیہہ کو اہل عرف پسند فرمالیں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن انصاف درکار ہے۔

اس تکلیف دہی اور اطالت کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر رحم کریں۔ اور مشرکین پر نجس ہونے کا عمومی طور پر حکم نہ لگائیں۔ اور مسلمانوں کو بھی کفار و مشرکین کے ساتھ اختلاط اور ارتباط کی وجہ سے نجس خیال نہ کریں کیونکہ انکے ساتھ اختلاط اور ارتباط اور باہمی میل جول کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور فرار کی کوئی صورت بھی نہیں۔

اور نجاست کا وہم و گمان کرتے ہوئے مسلمانوں کے کھانے اور پینے سے اجتناب نہ کریں اور ان کے عمل کو احتیاط خیال نہ کریں بلکہ اس احتیاط تو اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے زیادہ کیا لکھوں اور کیا تکلیف دوں۔

اندکی پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اپنا غم دل تو تمہارے سامنے تھوڑا ہی بیان کیا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ کا دل آزردہ نہ ہو جائے ورنہ باتیں تو کہنے کی بہت کچھ ہیں۔

والسلام۔

امام غزالی علیہ الرحیم۔ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ۔

حلال و حرام کے مسئلہ میں اصل بات جو جاننے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ شریعت نے لوگوں کو یہ نہیں کہا ہے کہ ان چیزوں کو کھائیں جو خدائے تعالیٰ

کے علم میں حلال ہیں۔ ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ کسی فرد بشر کی یہ طاقت نہیں کہ وہ علم الٰہی میں سے تحلیل کے حصہ کو جان لے بلکہ کہا یہ گیا ہے کہ وہ چیزیں کھائیں جو شریعت مطہرہ سے جانتے ہیں کہ حلال ہیں یا ان میں حرام کا ظہور نہیں ہوا ہے۔ اور یہ بات آسانی کے ساتھ معلوم کی جاسکتی ہے۔ تو اسکے لئے دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے پانی سے طہارت حاصل کی اور حضرت عمر رض نے ایک مجوسی عورت کے برتن کا پانی طہارت کے لئے استعمال کیا۔ اگر یہ حضرات تشنہ لب ہوتے تو پانی بھی نوش فرماتے حالانکہ گندی چیز پی لینا حلال نہیں ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ ان کے ہاتھ گندے تھے کیونکہ وہ شراب پیتے اور مردار کھاتے تھے۔ لیکن جب کسی قسم کی گندگی اور پلیدی نہیں دیکھی اور نہیں پائی تو پاکی کی وجہ سے ان کے ہاتھ کا کھانا اور پانی استعمال فرمایا۔ اور حضرات صحابہ کرام جس شہر میں بھی جاتے تھے کافروں اور مشرکوں سے کھانا خریدتے اور ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتے تھے باوجود اسکے کہ ان کے زمانے میں بھی چور سود خوار اور شراب پینے اور بیچنے والے سبھی قسم کے لوگ تھے لیکن کبھی صحابہ کرام نے دنیا کے مال اور دنیاوی فوائد سے اپنا ہاتھ نہیں روک لیا اور تمام کو بھی برا بر خیال نہیں کیا۔

یعنی جن مشرکوں پر علانیہ نجاست دیکھی تو ان سے کنارہ کش رہے اور جن میں پاکی اور صفائی دیکھی تو ان سے معاملہ کیا اور معاملات کو ضرورت اور حاجت کے مطابق ہی برقرار رکھا۔

اس مسئلہ میں بعض عوام کی افراط و تفریط بڑی حیرت انگیز ہے کبھی کافر و مشرک کے جھوٹے کو نجس خیال کرتے ہیں۔ اور جس جگہ کافر کے جھوٹے کے سوا پانی موجود نہ ہو تو اس پانی سے وضو، غسل اور نماز ادا کرتے ہیں حالانکہ آدمی کا جھوٹا پاک ہے۔

اور کبھی کتابی کے ذبیحہ کو حرام کہہ دیتے ہیں حالانکہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔

اور کبھی مشرک کے کھانے اور پانی کو حرام خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ کافر اور مشرک کا کھانا اور اسکا پانی حلال ہے۔ جیساکہ اسکی تفصیل اوپر گزری۔

مذاہب میں وسیع اور سہل ترین مذہب اسلام ہے۔ اور تنگ و دشوار ترین مذہب یہودیت ہے۔ کم عقل اور کوتاہ نظر لوگ وسیع ترین اور سہل ترین مذہب (اسلام) کو تنگ اور دشوار ترین مذہب (یہودیت) سے بھی زیادہ تنگ اور دشوار بنا دینا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو سختی و تنگی اور حرج میں ڈال رہے ہیں اور بزرگانِ دین پر لعن و طعن اور تشنیع کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ من ذلک

✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧

فائدہ ۱۱

تمباکو استعمال کرنے کا حکم

تمباکو کا استعمال بدعت ہے لیکن ہر بدعت مذموم نہیں کیونکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب حرام، مندوب، مکروہ اور مباح۔

بدعت کی حیثیت کو پہچاننے کے لئے یہ ضابطہ اور اصول ہے کہ اسکو قواعد شریعت کی روشنی میں دیکھیں اور جو بدعت، واجب کے قواعد کے تحت میں داخل ہو تو وہ بدعت واجبہ ہے۔ اور جو حرام کے قواعد کے تحت میں داخل ہو تو وہ بدعت محرمہ ہے، اور جو مندوب کے قواعد کے تحت میں داخل ہو تو وہ بدعت مندوبہ ہے۔ اور جو مکروہ کے قواعد کے تحت میں داخل ہو تو وہ بدعت مکروہ ہے، اور جو مباح کے قواعد کے تحت میں داخل ہو تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

اس باب میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ اشیاء میں اصل کیا ہے چنانچہ بعض حرام بعض توقف اور بعض اباحت کے قائل ہیں۔ صاحب "دُر" نے لکھا ہے کہ فقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کے اعتبار سے جائز اور مباح ہے (جب تک کہ اسکے اندر کوئی برائی شامل نہ ہو) نباتات بھی اپنی اصل کے اعتبار سے اباحت کے درجہ میں ہیں۔ مگر جو نباتات، زندگی، یا عقل، یا صحت و تندرستی کو ختم کر دینے والی ہوں تو وہ حرام ہوں گی۔ اور جو نباتات، عقل، یا صحت، یا زندگی کو ختم کرنے کی حد تک کو نہ پہنچے تو وہ حرام نہ ہوں گی۔ اور جب ایک مقدار معین کے ساتھ تمباکو استعمال کرنے میں مذکورہ تین علتوں (ازالہ حیات و عقل و صحت) میں سے کوئی علت نہیں پائی جا رہی ہو تو تمباکو کا استعمال بھی شریعت کے کلی قاعدہ میں داخل ہوگا۔ (ہر چیز اصل کے اعتبار سے مباح ہے) اور اسکا ایک مقدار معین کے ساتھ استعمال کرنا بدعت مباحہ ہوگا اور اگر تمباکو کے زیادہ استعمال سے عقل وصحت اور زندگی کے لئے نقصان ہو رہا ہے تو یہ چیز ممنوع ہوگی چنانچہ یہی حکم ساری مباح چیزوں کا بھی ہے۔

جمادات میں تھوڑا چونا پان کے استعمال کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے اگرچہ کہ اسکا زیادہ استعمال

نمایاں طور پر نقصان پہنچاتا ہے یا آدمی کو ختم بھی کرسکتا ہے۔ لیکن اسکے برخلاف تمباکو۔ بلغم کو سر اور معدہ سے کھینچ نکالتا ہے۔ اور بلغمی مزاج اور سرد طبیعت والے آدمی کو اور دانتوں میں درد اور کیڑے والے شخص کو تمباکو استعمال کرنا فائدہ مند ہے، اور تمباکو کی ناس، نزلہ اور زکام کے لئے مفید ہے پھر بھلا ان فوائد کے ہوتے ہوئے اسکا استعمال کیونکر ناجائز ہو سکتا ہے۔

ہاں! اگر کسی خاص شخص کو تمباکو کا استعمال نقصان پہنچا رہا ہے تو اسکا استعمال ضرر رسانی کے باعث صرف اس شخص معین کے لئے ممنوع ہوگا نہ کہ سارے لوگوں کے لئے۔ جیساکہ کسی گرم مزاج والے آدمی کو شہد کا استعمال نمایاں طور پر نقصان پہنچا رہا ہے تو اس شخص معین کے لئے شہد حرام ہوگا نہ کہ سارے لوگوں کے لئے۔

بیڑی سگریٹ استعمال کرنے کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ حموی "صاحب الاشباہ والنظائر" کے اس قول "والنباتات المجهول سمیتہ (وہ نباتات جسکا زہریلا پن معلوم نہ ہو) کے تحت میں جو قاعدۂ ثالثہ میں درج ہے لکھتے ہیں۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ بیڑی سگریٹ کا استعمال حلال ہے۔ اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔ مولینا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بادشاہ بخارا کے دسویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

کل دخان حرام (ہر دھواں بیڑی، سگریٹ چرٹ وغیرہ حرام ہے) حدیث شریف نہیں ہے اور حقہ کشی کے حرام اور حلال ہونے میں اختلاف ہے صحیح تر میں قول یہ ہے کہ حقہ کشی، مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی ہونے کی ایک علت تو وہ بدبو ہے جو حقہ کش کے منہ سے باہر آتی ہے جیساکہ کچی پیاز اور کچا لہسن استعمال کرنے والے کے منہ سے۔

حقہ کشی مکروہ ہونے کی دوسری علت یہ ہے کہ حقہ پینے والے شخص کے منہ سے جو دھواں نکلتا ہے وہ دوزخیوں کے منہ سے نکلنے والے دھویں کا منظر پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اہل دوزخ کے ساتھ اس تشابہ کی وجہ سے حقہ کش مکروہ تحریمی ہے۔

دسویں سوال کے جواب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حقہ کے مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ تمباکو کی گھانس کے اندر حرام کی وجہ متحقق نہیں کیونکہ نباتات میں سے کسی نبات کے حرام ہونے کی علت دو چیزوں پر منحصر ہے۔ ایک زہر، دوسری نشہ۔ اور تمباکو کی گھانس کے اندر زہر اور نشہ دونوں چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن اسکے استعمال میں اس کیفیت سے کہ اسکے دھویں کو ہم اپنے اندر کھینچتے ہیں۔ تین

پہلی وجہ وہ بدبو ہے جو ایک حقہ پینے والے شخص کے منہ سے نکلتی ہے۔

دوسری وجہ اہلِ دوزخ کے ساتھ مشابہت اور مماثلت ہے جیساکہ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑے ہونے کو اور لوہے کی انگوٹھی استعمال کرنے کو شریعت نے مکروہ قرار دیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس وضع کا استعمال، مسلمان کو آگ سے قریب اور مشابہ بنادیتا ہے اور آگ کے ساتھ ملابست اور مشابہت مکروہ ہے۔ اس لئے کہ آگ عذابِ الٰہی ایک صورت ہے۔ اسی وجہ سے داغ دینے کی ممانعت اور کراہت آئی ہے۔

ہر چند کہ ان تین وجوہات سے ہی تنزیہی لازم آتی ہے لیکن ان تنزیہات کا اجتماع، کراہتِ تحریمی تک پہنچا دیا ہے۔

بعض عقلاء نے یہ تصریح کی ہے کہ کل دخان حرام اگرچہ کہ حدیث شریف نہیں ہے لیکن معنی و مفہوم کے لحاظ سے یہ بات اپنی جگہ صحیح اور درست ہے کیونکہ دھواں دو چیزوں کا مرکب ہے۔ (ارضیت اور ناریت (آگ اور مٹی) اور یہ دونوں حرام ہیں۔ اور جو چیز ان دونوں سے مرکب ہے وہ بھی حرام ہوگی۔ مثال کے طور پر پان میں چونے کا استعمال اور دواؤں میں طین ارمنی[ف] اور طین مختوم کا استعمال۔ پس اگر بیڑی سگریٹ کا استعمال جسم کی درستگی اور اصلاح (تحلیل ریاح اور دفع قبض) کے طور پر ہے تو اس چیز کو کیونکر حرام قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور فقہ کی بعض کتابوں میں بیڑی سگریٹ نوشی اور حقہ کشی کے حرام ہونے پر فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں صریح) والی آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ دھواں، عذاب کا آلہ ہے، اور عذاب کے آلہ کا استعمال درست نہیں! اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں ممنوع ہیں کیونکہ دھواں جس طرح عذاب کا آلہ ہے اسی طرح تنعیم کا آلہ بھی ہے جیساکہ عود کے دھویں سے لذت اور راحت حاصل کی جاتی ہے۔ اور حدیث صحیح ہے۔ مجامرہم الالوۃ (جنت میں اہل جنت کے لئے تازہ عود انگیٹھیوں میں ڈال کر پیش کیا جائیگا) تاکہ اس خوشبودار دھویں سے لطف و انبساط حاصل کریں۔

علاوہ ازیں عذاب کے آلہ کا استعمال مطلقاً ممنوع بھی نہیں کیونکہ قوم نوح کے لئے عذاب کا آلہ پانی تھا، ایسی صورت میں پانی کے

ف ارمن ایک ملک کا نام جو درمیان ایران اور فرنگ کے واقع ہے۔

استعمال سے متعلق بھی اسی قسم کے استدلال کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

اہل سنت وجماعت کے اس اختلافی مسئلہ میں دونوں جانب کے لوگ بحرالعلوم لکھنوی، مولینا باقر آگاہ مدراس، مولینا شاہ اسماعیل دہلوی، مولینا سید محمد علی رامپوری اور دیگر رحلت شدہ بزرگوں پر لعن طعن کرتے ہیں حالانکہ اختلافی مسائل میں ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کرلینا اور دوسرے جانب کے غلط ہونے کا یقین کرلینا ٹھیک نہیں ہے۔ اور باہم ایک دوسرے پر عیب نہیں لگانا چاہئے چنانچہ اسکی تفصیل پانچویں مقدمہ میں گذر چکی ہے۔

قطع نظر اس بحث و تقریر کے تمبا کو استعمال کرنے میں بہت سارے فوائد ہیں۔ اور یہ چیز سر اور معدہ سے بلغم کو خارج کر دیتی ہے۔ کرم خوردہ دانتوں اور دانتوں میں درد کو دور کرنے کے لئے مفید ہے۔ اور نزلہ و زکام کے لئے بھی سود مند ہے اور ریاح توڑنے اور قبض دور کرنے کے لئے بھی کارآمد ہے اور اسکے علاوہ اور بھی فوائد ہیں۔

فائدہ ۱۲

میلاد النبیؐ پر اظہارِ مسرّت کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد مبارک پر خوشی و مسرّت کا اظہار کرنا بدعت حسنہ ہے اور میلاد کا عمل دنیا بھر کے علماء اور صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ علامہ شیخ ابن حجر مکی ہیتمی اپنی کتاب "نعمۃ الکبریٰ علی العالم بمولد سید ولد آدم" میں لکھتے ہیں۔

میلاد النبیؐ کا عمل بدعت ہے کیونکہ اسلام کی ابتدائی تین صدیوں جنکے مبارک ہونے کی شہادت زبان نبوتؐ نے دی ہے، میں سلف صالحین میں سے کسی سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔ لیکن یہ بدعت حسنہ اس قبیل سے تعلق رکھتی ہے کہ اسکے اختیار کرنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ یہ چند مستحسن امور پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس میں فقراء و مساکین کے ساتھ احسان عظیم ہے (مثلاً کھانا تقسیم کرنا اور روپیہ بانٹنا) اور قرآنِ کریم کی تلاوت ہے اور ذکر کی کثرت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ شریف کا ایصال ہے اور آپؐ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ والہانہ محبت والفت اور بے پایاں خوشی و مسرت کا اظہار ہے اور غیر مسلم طبقہ کو اسلام کی جانب دعوت دینے کا موقع بھی ہے۔

ان ہی گوناگوں فوائد و برکات کی وجہ سے زمانۂ خیر القرون کے بعد جب سے میلاد النبیؐ کے عمل کا ظہور ہوا ہے اس وقت سے ساری دنیا کے مسلمان ماہ ربیع الاول میں میلاد شریف کے موقع پر مجلسیں آراستہ کرتے آرہے ہیں۔ جن میں وسیع پیمانہ پر ضیافت طعام کا اہتمام ہوتا ہے اور صدقات وخیرات اور نیکی و حسن اعانت کا معاملہ رہتا ہے اور قرآن کی تلاوت، ذکر اور سیرت طیبہ کا بیان ہوتا ہے اور " اس طرح آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ خوشی و مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

علامہ جزری فرماتے ہیں۔

میلاد النبیؐ کے عمل میں کوئی فوائد رہیں یا نہ رہیں۔ یہی ایک فائدہ کیا کم ہے کہ اس میں ملت اسلامی کے لئے سرور اور انبساط ہے اور شیطان

لعینوں کے لئے ذلت و رسوائی ہے۔ جب اہلِ صلیب اپنے نبی کی شب ولادت کو عیدِ اکبر قرار دے سکتے ہیں تو اہل اسلام بھی اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ بھی اپنے نبی کریم کی ولادت پر خوشی و مسرت کا اظہار کریں۔

امام محقق، ولی کامل ابو زرعہ بن عراقی سے دریافت کیا گیا کہ میلاد النبیؐ کا عمل مستحب ہے یا کراہت اور اسکے متعلق کوئی دلیل موجود ہے؟ یا کسی ایسی شخصیت سے اس فعل کا صدور ثابت ہے جسکی اتباع کی جا سکے؟

تو انہوں نے فرمایا۔ دعوت تو ہر وقت مستحب ہے۔ پھر بھلا ماہ ربیع الاول کی وہ دعوت کیوں مستحب نہ ہوگی جس میں نورِ نبوت کے ظہور پر اظہارِ مسرت کا عنصر شامل ہو۔ سلف صالحین میں سے کسی سے میلاد کا عمل ثابت نہ ہو تو اس سے میلاد کا بدعت مکروہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ کتنی بدعات حسنہ ایسی ہیں جن کے اندر کوئی برائی اور خرابی نہ ہو تو انکا اختیار کرنا نہ صرف مستحسن بلکہ ضروری سمجھا گیا ہے۔

نیز اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا اور اس سے اسکا حال پوچھا گیا تو اس نے کہا آگ کے شعلوں میں گھرا ہوں مگر جب دوشنبہ کی رات آتی ہے تو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے اور میں اپنی ان دو انگلیوں سے پانی چوستا ہوں جن سے میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی خوشخبری سن کر ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔

علامہ ابن جزری فرماتے ہیں۔

ابولہب جیسا کافر شخص جسکی مذمت میں قرآنی آیات نازل ہوئیں اور یہ مذمت ہے جس سے بڑھکر کسی مذمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنی تو خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ اور اس اظہار خوشی پر اللہ نے اسکو یہ (عذاب میں تخفیف اور انگلیوں سے پانی جاری ہونا) صلہ عطا فرمایا تو ان مسلمانوں پر عنایات ربانی کا کیا عالم ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے یوم خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور آپؐ کی محبت و الفت میں حسب استطاعت خرچ کرتے ہیں۔ میری عمر کی قسم! اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے مسلمانوں کی جزا یہی ہوگی کہ وہ اسکے فضل و کرم سے جنات نعیم میں داخل کئے جائیں گے۔

نویں صدی ہجری کے مجدد اور احادیث نبوی کے حافظ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "حسن المقصد فی عمل المولد" میں لکھتے ہیں۔

میلاد النبیؐ کی حقیقت بس یہی ہے کہ مسلمان

کا ایک اجتماع ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور لوگوں کی ضیافت کی جاتی ہے اور یہ وہ امور حسنہ ہیں جنکے انجام دینے والے کو اجر و ثواب دیا جائیگا کیونکہ ان کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ ص کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار ہے۔ سب سے پہلے جس شخص نے میلاد النبی ص کی ابتداء کی وہ اربل الملک المظفر ابو سعید کوکری بن زین الدین علی بن بکتکین ہے۔ جسکا شمار دنیا کے عظیم بزرگ اور سخی بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اور اسکے متعدد آثار حسنہ موجود ہیں۔ علاقہ سافون میں واقع جامع المظفر بھی اسی بادشاہ کی تعمیر کردہ ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اسکی سیرت و سوانح سے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ بڑا ذہین، شجاع، عاقل اور صاحب علم بادشاہ تھا۔ ماہ ربیع الاول میں بڑے اہتمام کے ساتھ مجلس آراستہ کیا کرتا تھا۔

علامہ سیوطی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی نے "مرآۃ الزمان" میں لکھا ہے کہ یہ تفصیل ان حضرات کی بیان کردہ ہے جو بذات خود میلاد شریف کی بعض مجالس میں ملک مظفری کے دسترخوان پر موجود رہے۔ اس دسترخوان پر پانچ ہزار بکریوں، دس ہزار مرغ اور ایک سو اونٹوں کا گوشت رکھا گیا تھا۔ اور ایک ہزار دودھ کی ملائی کے کٹورے اور تیس ہزار حلوے کے کٹورے رکھے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے علماء اور صوفیاء میلاد شریف کی ان مجلسوں میں شرکت کے لئے بادشاہ کے پاس تشریف لاتے تھے۔ اور بادشاہ انہیں ان مجلسوں میں شرکت کی دعوت دیتا اور خلعتوں سے نوازتا تھا۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدراج النبوۃ کی پہلی جلد میں فرماتے ہیں کہ ثوبیہ ابو لہب کی یہودہ باندی ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر سن کر اپنے آقا ابو لہب کو یہ خوشخبری سنائی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر لڑکا تولد ہوا ہے تو یہ خوشخبری سنانے پر ابو لہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا اور اسے حکم دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ کا انتظام کرے۔ ولادت نبوی ص پر ابو لہب کے اس اظہار خوشی کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اسکو یہ عطا فرمایا کہ دوشنبہ کے روز اسکے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ اس واقعہ کے اندر اہل میلاد کے لئے سند ہے کہ وہ ولادت نبوی ص کی شب میں خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں اور مستحسن امور (اسلام اور سیرت نبوی ص کا پیغام عام کرنے کے لئے مجالس، ختم قرآن، ذکر

اور درود شریف کی مجالس اور ضیافت طعام وغیرہ) میں اپنا مال خرچ کر سکتے ہیں۔ ابولہب ایک کافر شخص جسکی مذمت میں قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنی باندی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ کے انتظام کرنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو بہ صلہ (دوشنبہ کے روز عذاب میں تخفیف اور انگلیوں سے پانی جاری ہونا) عطا کیا تو مسلمان جن کے دل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت سے بھر پور ہیں اگر یہ میلاد النبی پر خوشی و مسرت کا اظہار کریں اور اس کارِ خیر میں اپنا مال خرچ کریں تو ان پر اللہ کے انعامات و اکرامات کا کیا عالم ہوگا؟

لیکن مسلمانوں کو چاہیئے کہ میلاد النبی ﷺ کے انعقاد میں ناجائز امور مثلاً گانا بجانا، آلاتِ محرمہ اور منکرات شرعیہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں تاکہ یہ چیزیں انہیں اللہ کے فضل و کرم اور اتباع سنت کے فیوض و برکات سے محروم نہ کر دیں۔

مذکورہ دلائل اور براہین سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہو چکی کہ سرور کائنات فخر موجودات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا بدعت حسنہ ہے۔ صرف شیخ تاج الدین فاکہانی مالکی جنکا شمار متاخرین مالکیہ میں ہوتا ہے نے اپنی کتاب "المورد فی عمل المولد" میں میلاد شریف کو مذموم بدعت لکھا ہے۔ ان کے اس موقف کی تردید بطریق احسن علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "حسن المقصد فی عمل المولد" میں کر دی ہے۔ اس مسئلہ میں پیدا شدہ شکوک و شبہات کا حل مذکورہ کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

یہاں یہ مسئلہ بھی جان لیا جائے تو مفید ہوگا کہ بعض علمائے کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر اور بیان کے وقت حاضرین مجلس کے کھڑے ہونے کو مستحسن فعل قرار دیا ہے علامہ شیخ علی ابن برہان الدین حلبیؒ سیرت حلبیہ" میں فرماتے ہیں۔

لوگوں کی یہ عادت چل پڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان سنتے ہیں تو آپؐ کی تعظیم و تکریم کے خیال سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیام بدعت حسنہ ہے۔

نیز اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ امت کے جلیل القدر متقی و پرہیزگار عالم، ائمہ اور فقہاء کے امام و مقتدا علامہ تقی الدین سبکی شافعی کو میلاد شریف کی مجلس میں ولادت نبوی کے بیان

میں آپ کے نام مبارک کے ذکر کے وقت قیام کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ اور آپ کے ہم عصر علماء اور صوفیائے نے اس عمل کی اتباع و پیروی کی۔

سید جعفر برزنجی مدنی "رسالۃ المولد" میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے بیان میں آپ کے نام مبارک کے ذکر کے وقت میں تعظیماً کھڑے ہو جانے کو صاحب روایت ودرایت آئمہ کرام نے مستحسن قرار دیا ہے بڑی خوشخبری اور بڑی بشارت ہے اس شخص کے لئے جسکا انتہائی مقصد صرف ذات رسالت مآب کی تعظیم وتکریم ہو۔

یوسف بن محمد اھدل فرماتے ہیں کہ تمام باشندگان حرمین شریفین اور وہاں کے علماء وخواص قیام کو پسند فرماتے ہیں اور اس عمل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر تعظیم وتکریم ہے وہ کوئی پوشیدہ چیز نہیں۔

ان دلائل سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ میلاد وقیام کے مسئلہ میں مولینا ارتضاء علی خان صفوی، مولینا محمد سعید اسلمی، سند العلماء شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، مولینا سید محمد علی رام پوری پر نکتہ چینی سے اصل اور لغو ہے۔

ملہ

ہر زمانے اور ہر ملک کے علماء و فضلاء اور صوفیاء کا کوئی ایسا عمل ہو جسکے تعلق سے آئمہ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کا رد و انکار منقول نہ ہو تو یہ عمل ایک شرعی دلیل اور حجت ہے کیونکہ علمائے ربانی کا عمل بغیر کسی نکیر کے ہو تو وہ حجت ہے یعنی کسی چیز اور واقعہ کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے اور اسکے متعلق حضرات صحابہ کی تصریحات بھی نہ ہوں تو اس چیز اور واقعہ کے اندر علمائے ربانی اور حضرات صوفیائے کرام کا عمل کسی مجتہد کے انکار کے بغیر ثابت ہو تو اسکے موافق شریعت ہونے پر حجت و دلیل ہے اور ایسے عمل کا تعلق اجماع مسلمین سے ہے جیسا کہ اصول فقہ اور فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

(ترجمہ حاشیہ فصل الخطاب ص ۵۷)

فائدہ نمبر ۱۳

زیارتِ موئے نبویؐ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور آپ کے آثار و متروکات اور آپ کی مساجد اور آپ کی جانب منسوب کنوؤں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

مولینا مخدوم ہاشم سندھی "حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب" کے چودہویں باب میں تیرہویں فصل میں مولینا رحمت اللہ سندھی اور ملا علی قاری کی عبارت کا ماحصل یہ تحریر کیا ہے کہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب آثار، کنوئیں اور مساجد کی زیارت کرنا مستحب ہے اور ان اشیاء کا عین ہو یا جہت، کسی ایک کو جان لینا دونوں برابر ہے۔ حنفیوں، شافعیوں مالکیوں اور حنبلیوں کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ مطلقاً یعنی بغیر کسی قید کے ان اشیاء کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ تحصیل سعادت و برکت کے خیال سے حضرت ابن عمرؓ اس بات میں کوشاں رہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جگہوں میں نماز پڑھی اور جن جگہوں سے سفر شروع کیا اور جن جگہوں میں نزول اور سکونت فرمائی ان جگہوں میں نماز پڑھے اور سفر شروع کرے اور نزول و سکونت کرے۔

شفاء میں قاضی عیاض تحریر فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اشیاء کو مقدس و برگزیدہ جاننا اور آپ کے اجزاء کی تعظیم کرنا، اور آپ کے جمیع اماکن و مقامات کی تعظیم کرنا، جن میں آپ نے سکونت فرمائی یا نزول فرمایا اور ہر وہ چیز جسکو آپ کے دستِ مبارک یا پہلو، یا قدم، یا اعضاء میں سے کسی عضو نے مس کیا ہو تو اسکی تعظیم کرنا گویا نبی کریمؐ کی تعظیم کرنا ہے۔ اور ان چیزوں کے ثبوت کے لئے نقل صحیح ہو یا یہ چیزیں اخبار و آثار کے بغیر لوگوں میں مشہور ہوں تو یہ دونوں برابر ہیں۔ علامہ سندھی اور ملا علی قاری کے کلام کا ماحصل مکمل ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی "شرح سفر السعادۃ" میں فقیہ تورپشتی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ کا صحابۂ کرام کے درمیان اپنے موئے مبارک کے تقسیم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس چیز کے ذریعہ لوگوں میں برکت باقی رہے۔ اور آپ کی یاد

تازہ رہ سکے۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی پوشیدہ تھا کہ اب زمانۂ صحبت ختم ہونے والا ہے اور سفر آخرت قریب ہے۔

شیخ عبد الحق دہلوی "اشعۃ اللمعات ترجمۂ مشکوٰۃ" میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناخنوں اور بالوں کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کرنے کے بیان میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک کو ایک ایک موئے شریف اور دو دو موئے مبارک نصیب ہوئے چنانچہ شاعر نے اسی قصہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

مرا از زلفِ تو موئے بسند است
فضولی میکنم بوئے بسند است

مجھے آپ کے زلف مبارک سے موئے یک تار بس ہے۔ میں نے غلط کہا موئے یکتار نہیں بلکہ اسکی بو بھی کافی ہے۔

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخنوں کو بھی تراشنے کے بعد حاضرین میں تقسیم کیا اور آج تک امت میں یہ برکات موجود ہیں۔

مطبوعہ "سفینۃ النجاۃ" نے ۲۴ ویں صفحہ میں جو لکھا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم واجب ہے۔ اگرچہ کہ یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہو کہ یہ آپ ہی کا موئے مبارک ہے اس لیے کہ جب کل کی تعظیم واجب ہے تو اسکے اجزا بھی تعظیم میں کل کی طرح ہیں اور بتوں طواغیت، بتوں، گھوڑوں کے نعل، تجیروں، جھنڈوں اور ان کے مانند اشیاء کی تعظیم کفر ہے ان کی تعظیم کی تحریم پر موئے مبارک کی تعظیم کو حرام قرار دینا باطل اور قیاس(۱) مع الفارق ہے

ان اسناد اور شواہد سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم کرنا واجب ہے اگرچہ کہ اس کا ثبوت یقینی طور پر نہ ہو اور موئے مبارک کی زیارت کرنا مستحب ہے جیساکہ قریبا ذکر کیا گیا۔

اس مسئلہ میں بعض افراد کی افراط و تفریط دیکھنے کے لائق ہے کہ کبھی موئے مبارک کی تعظیم کو عبادت اور مو پرستی کہہ دیتے ہیں حالانکہ تعظیم الگ چیز ہے اور عبادت الگ چیز ہے چنانچہ تفسیر کی کتابوں میں اسکی تفصیل موجود ہے۔ اگر تعظیم اور عبادت دونوں ایک ہوتے

---

(۱) قیاس کرنا ایک چیز کا دوسری چیز پر بغیر اسکے کہ ان دونوں چیزوں میں کچھ مناسبت اور مشارکت ہو۔

تو اللہ تعالیٰ شعائر اللہ[۲] کی تعظیم کا حکم نہیں دیتا۔ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (جس شخص نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو پس یہ تعظیم دلوں کے تقویٰ[۳] سے تعلق رکھنے والی ہے اور علمائے متاخرین قرآن کریم کی تعظیم کے لیے قیام کو مستحب نہیں قرار دیتے جیسا کہ علامہ سیوطی نے اتقان میں تحریر کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان ولادت اور آپ کے نام مبارک کے ذکر کے وقت قیام کو علماء مستحسن قرار نہیں دیتے چنانچہ اسکی تفصیل بارہویں فائدہ میں بیان کی گئی ہے۔ تعظیم اور عبادت میں فرق نہ ہوتا تو مولینا شاہ اسمٰعیل دہلوی "صراطِ مستقیم" کے پہلے باب میں منعم اور اہل کمال کی تعظیم کو طریق نبوت کے اسباب میں نہیں لکھتے اور شعائر کی تعظیم اور منعم کی محبت کا جز شمار نہیں کرتے۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ منعم کی محبت اور اسکی تعظیم اور منعم کے محبت کی جہت کو اسکے ماسوا تمام اشیاء پر ترجیح طریق نبوت کے عمدہ اسباب میں سے ایک سبب ہے

اور اسکے شعائر کی تعظیم بھی منعم کی محبت کا جزو اور حصہ ہے اور شعائر سے مراد وہ امور ہیں جو منعم کے ساتھ کوئی خاص مناسبت رکھتے ہوں اور وہ اس حیثیت سے ہوں گے کہ کسی بھی شخص کا ذہن جو اس مناسبت سے واقف ہوگا تو ان امور کی وجہ سے اسکا ذہن منعم کی جانب منتقل ہو جائیگا۔ مثلاً اسکے نام اور اسکی بات چیت، اور اسکے لباس اور اسکے ہتھیار کی تعظیم سے ذہن اسکی طرف، مائل ہو جائیگا حتیٰ کہ اسکی سواری اور اسکے مسکن سے بھی۔ چنانچہ جس کسی شخص کو ان امور کا تجربہ ہو۔ اور اسکو بڑے بڑے حقوق شناس امراء بلکہ تمام مصاحبین کے ساتھ صحبت و انسیت رہی ہو۔ اور ان امراء و مصاحبین کو حکم شاہی اور تخت شاہی کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا ہو تو اس سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ شعائر کی تعظیم بھی منعم کی محبت کا جزو ہے)

جب منعم کے شعائر کی تعظیم کمال درجہ کو پہنچتی ہے تو ہر اس چیز کی تعظیم کا سبب بن جاتی

ص۲ شعائر اللہ سے مراد قرآن کریم، پیغمبر، کعبہ اور اولیاء اللہ ہیں اور ہر وہ چیز بھی شعائر اللہ میں داخل ہے جسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہو۔ چنانچہ یہی مفہوم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الطاف القدس میں بیان کیا ہے

(ترجمہ حاشیہ فصل الخطاب ص)

ص۳ شریعت کے حدود کی حفاظت اور ان کے دائرہ میں رہنا تقویٰ ہے۔ کذا فی الطاف القدس۔

(ترجمہ حاشیہ فصل الخطاب ص)

ہے جو منعم کی محبت اور اسکے احسانات پر شکر کے جذبات کو پیدا کرنے کی مؤید ہوگی۔ مثلاً اس شخص کی تعظیم کرنا جو منعم کے احسانات کے بدلہ میں دعوت کرتا ہے۔ یا منعم کے محب کی تائید و خدمت گذاری کرتا ہے یا منعم کے احسانات کا اظہار و بیان کرتا ہے۔

جب تعظیم کا یہ مرتبہ قوی ہو جاتا ہے تو اس میں افراط اور غلو پیدا ہوتا ہے اور ایسے امور کی تعظیم کا باعث بن جاتا ہے جو منعم کی تعظیم اور اسکی خدمت گذاری میں محب سے ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ایسے افعال و اقوال کی تعظیم جو محب نے منعم کے احسانات کے مقابلہ میں بجالایا ہو اور ایسے اموال کی تعظیم جو محب نے منعم کی رضا میں خرچ کئے ہوں۔

کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہ چیز اپنے افعال اور اقوال میں عجب اور خود بینی اور اپنے اموال کے خرچ میں غرور کے قبیل سے ہے کیونکہ ان اقوال افعال اور اموال کے دو جہت ہیں۔ ایک محب کے ملابسات اور کمالات سے متعلق ہے اور دوسرا منعم کے شعائر سے متعلق ہے۔ اور منعم کی تعظیم دوسرے جہت سے ہے نہ کہ پہلے جہت سے اور یہ ایسی چیز ہے جسکے لئے دلیل اور حجت کی چنداں ضرورت نہیں اور یہ اس قدر ظہور میں آچکا ہے کہ اسکی وضاحت کی حاجت نہیں ہے۔

جب شعائر کی تعظیم اور منعم کے متعلقات کی تعظیم یہ حکم رکھتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جزو اور موئے مبارک کی تعظیم کا حکم کیا ہوگا قیاس کن زگلستان من بہار مرا (میرے گلستان ہی سے میری بہار کا اندازہ کر لو)

جریر بن عبد الحمید قاضی شہر مدینہ منورہ نے امام مالک سے اس حال میں حدیث نبوی دریافت کیا کہ وہ کھڑے ہوئے تھے۔ امام مالک نے حکم دیا کہ انہیں قید کیا جائے۔ لوگوں نے کہا۔ یہ قاضی شہر ہیں۔ فرمایا۔ قاضی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسکی تادیب کی جائے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک سے حدیث پوچھی اور وہ کھڑے ہوئے تھے حکم دیا کہ ہشام کو بیس کوڑے لگائے جائیں جیسا کہ مدارج النبوۃ کے نویں باب میں مرقوم ہے۔

ایک روز امرا انگلش میں ایک امیر نے نوزائدہ انجیل پر قدم رکھا اور کہنے لگا کہ یہ کتاب ہیں آدمی کے ہاتھ کا عمل ہے۔ ان کی تعظیم نا معقول ہے۔ میں نے کہا۔ فوج کا جھنڈا اور بادشاہ کا فرمان بھی تو آدمی کے ہاتھ کا عمل ہے پھر ان کی تعظیم کیوں معقول ہے؟ اور بادشاہ وزیر اور ارباب مناصب کی تصویریں اور ان کے نام بھی تو آدمی کے

ہاتھ کا عمل ہے۔ پھر بھلا ان چیزوں کو قدموں تلے روندنے اور جوتی سے مارنے پر کسی آدمی کو سزا کا مستحق کیوں قرار دیا جاتا ہے۔

بعض اہلِ علم کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کبھی غیر یقینی موئے مبارک کی زیارت کرنے کو ناجائز خیال کرنے میں حالانکہ موئے مبارک کی زیارت کیلئے یقین کی ضرورت نہیں چنانچہ اسکی تفصیل ابھی گذر چکی۔ اجتہادی احکام اور نسب میں یقین کی گنجائش نہیں ہے لیکن اسکے باوجود شریعت مطہرہ میں ان احکام پر عمل کا حکم دیا گیا ہے اور میراث حاصل کی جارہی ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ کوتاہ نظر اشخاص عدم یقین کے باوجود اجتہادی احکام پر عمل کر رہے ہیں اور میراث حاصل کر رہے ہیں لیکن غیر یقینی موئے مبارک کی زیارت کو ناجائز کہہ رہے ہیں اور کبھی موئے مبارک کی زیارت کو صریح گمراہی کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ مستحب ہے

علاوہ ازیں اس افراط و تفریط کے ساتھ ہر دو جانب کے طاعن اشخاص بحر العلوم مولینا عبد العلی لکھنوی سید واعظ اور تمام زائرین کو بو پرست کہہ رہے ہیں اور ان کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کرنے میں قاصر نہیں ہیں۔

فائدہ ۱۴

تذکرۂ مناقب و فضائلِ صلحاء و اتقیاء

اور ترجمۂ سیر و شمائلِ انبیاء و اولیاء

بزرگانِ دین کے شمائل و فضائل کے تذکرے میں بہت فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ یہ ہے کہ بزرگوں کے تذکرے سے دل راحت و سکون پاتا ہے اور قوی ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو گذرے ہوئے پیغمبروں کے قصے سناتے ہیں تاکہ آپ کے دل کو سکون ملے اور وہ قوی ہو جائے۔

حضرت جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ بزرگوں کی حکایات اور روایات پڑھنے اور سننے سے کیا فائدہ ہے۔ تو فرمایا۔ ان کی بات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ اگر کسی آدمی کا دل شکستہ ہے تو ان کی باتوں اور قصوں سے قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے اور ان سے نصرت و مدد پاتا ہے۔ چنانچہ اسکی واضح دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت طیبہ ہے۔ وکلا نقص علیک الآیہ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو گذرے ہوئے نبیوں کے قصے سناتے ہیں تاکہ آپ کے دِل کو سکون ملے اور وہ قوی ہو جائے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اہل اللہ کا تذکرہ اور بیان رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے جیسا کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ۔ اللہ والوں کے تذکرے کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص دسترخوان بچھائے تو اس سفرہ پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے ممکن ہے کہ اسکو اس دسترخوان سے بے فائدہ نہ رکھا جائے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ (امام ربانی کے مشائخ کے مرشد) حضرت ابو علی دقاق رح سے پوچھا گیا کہ اہل اللہ کے اقوال و حکایات اور واقعات سننے سے کیا فائدہ ہے جب کہ ان کی باتوں پر عمل نہ کیا جائے۔ فرمایا۔ ہاں! اس میں دو فائدے ہیں۔ اول یہ کہ آدمی اگر طالب ہے تو اہل اللہ کی باتوں کو سُن کر اسکی ہمت قوی ہو جاتی ہے اور اسکی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ آدمی اگر

متکبر اور مغرور ہے تو اسکا غرور اور تکبر ختم ہو جاتا ہے اور اپنے دل و دماغ سے کبر و نخوت کو نکال دیتا ہے۔ اور اب تک اپنے آپ کو جو نیک اور اعلیٰ سمجھ رہا تھا اسکے برعکس خود کو بُرا اور ادنیٰ تصور کرنے لگتا ہے۔ اور اگر اس کے اندر عقل و شعور اور بصیرت موجود ہے تو اپنی حالت کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ حضرت ابن محفوظ فرماتے ہیں کہ اخلاق اور اعمال کو اپنے معیار سے نہ دیکھیں بلکہ اہل اللہ کے اخلاق اور اعمال کے مقابل رکھکر دیکھیں تاکہ تم پر ان کے فضل و کمال اور اپنے افلاس اور تہی دامنی کو پہچان سکو۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف ہمدانی سے پوچھا گیا کہ جب یہ عہد اور یہ طائفہ تاریخ کا حصہ بن جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے جس سے ہم سلامت رہ سکیں؟ فرمایا۔ روزآنہ ان بزرگوں کے ملفوظات اور سیرت و سوانح کا کچھ حصہ مطالعہ کرتے رہیں۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی باتیں بہترین باتیں ہیں۔ جو قرآن و حدیث کی تفسیر ہیں اور ان کے ارشادات کو پڑھنے سے دنیا کی محبت و فریفتگی کا جذبہ دل سے سرد پڑ جاتا ہے۔ اور آخرت کی یاد اور شوق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت و الفت پیدا ہوتی ہے اور زادِ آخرت کی تیاری میں انہماک و اشتغال پیدا کرتی ہیں۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے دوستوں کی تعریف و توصیف اور ستائش سے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اللہ کے دوستوں میں سے کوئی دوست خوش ہو جائے اور ستائش کنندہ کی قبر کی تنگی کو وسعت سے بدل دے۔ حضرت یحییٰ ابن معاذ جو شہر ہرات کے امام اور شیخ عبداللہ انصاری کے استاذ محترم تھے۔ انہوں نے وفات پائی تو ان کو خواب میں دیکھا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ اللہ نے کہا۔ اے یحییٰ۔ میں تمہارے ساتھ بہت ہی سخت اور دشوار معاملہ کرنے والا تھا لیکن ایک روز تم مجلس میں ہماری حمد و ستائش کر رہے تھے کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک دوست کا گذر اس جگہ سے ہوا اور وہ تمہارے اس فعل سے مسرور ہوئے۔ ان کے اس مسرور ہونے کی وجہ سے تمہیں بخش دیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو تم دیکھ لیتے کہ تمہارے ساتھ کس قدر سخت معاملہ کیا گیا ہوتا۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے خلاف کوئی [illegible] درشت بات کہہ دے تو تم اسکے ساتھ کینہ رکھتے ہو اور غیض و غضب سے

مغلوب ہو کر اسکا خون تک بہانے کی سعی و کوشش کرتے ہو، جب تمہارے نفس میں ایک سخن باطل کے اثر کا یہ عالم ہے تو سخنِ حق کی تاثیر کا عالم کیا ہوگا بھلے سے تم سخنِ حق کی اثر آفرینی سے ناآشنا رہو۔

امام عبدالرحمٰن اسکاف سے پوچھا گیا کہ ایک شخص قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ کیا پڑھ رہا ہے تو کیا ایسی صورت میں تلاوت کا اثر اسکی ذات پر ہو سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ایک شخص دوا کھا رہا ہے اور وہ اسکے خواص و فوائد سے نہیں جانتا ہے لیکن دوا کا اثر اسکی ذات پر ہو جاتا ہے تو پھر بھلا اللہ تعالیٰ کے کلام تک تلاوت کا اثر پڑھنے والے کی ذات پر کیسے نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اگر وہ قرآنِ کریم کی معانی اور مطالب کو سمجھتے ہوئے تلاوت کر رہا ہے تو اسکے قلب و ذہن پر بہت اثر ہوگا۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا دور ہے جس میں اشرار الناس نے اخیار الناس کو فراموش کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نیک لوگوں کے تذکرہ کی وجہ سے نیکیوں سے تہی دامن اشرار الناس صالحین کو فراموش نہ کریں۔ اور گوشہ گیر و خلوت نشین بزرگوں کی تلاش میں لگ جائیں اور ان کی جانب مائل ہوں اور ان کی نیک صحبتوں میں ابدی سعادت سے مشرف ہو جائیں۔

نواں فائدہ یہ ہے کہ آج وہ دور ہے جس میں مدعیانِ تصوف، اہلِ معانی اور اصحاب باطن کے لبادہ میں نمودار ہیں اور اہلِ دل حضرات کبریت احمر (اکسیر و کیمیا) کی طرح نایاب اور کم یاب ہیں۔

ایسے ماحول میں اہل اللہ کا تذکرہ بہت غنیمت ہے۔ سید الطائفہ جنید بغدادی نے حضرت شبلی سے کہا اگر سارے جہاں میں ایک آدمی بھی تمہیں اس معاملہ میں ہم مشرب، اور ہم مذاق مل جائے تو اسکی صحبت اختیار کرو۔

دسواں فائدہ یہ ہے کہ مدعی تصوف اگرچہ کہ محقق اور کامل نہ ہو لیکن جب اس نے ایک مرتبہ اپنے آپ کو اہل اللہ کے ساتھ متشابہ اور مماثل کر دیا تو اس تشابہ کی برکت سے وہ بھی ان ہی میں شمار کیا جائیگا۔ چنانچہ زبان نبوت نے ارشاد فرمایا۔ من تشبہ بقوم فھو منھم جس شخص نے بھی کسی جماعت کے ساتھ مشابہت پیدا کر لی تو اسکا شمار بھی اسی گروہ میں ہوگا۔

سید الطائفہ فرماتے ہیں مدعیانِ تصوف کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو کامل اور محقق کے مشابہ بتاتے ہیں اور ان کے پاؤں کو چوم لو کہ یہ بلند ہمت کے مالک ہیں اگر یہ بلند ہمت نہ رکھتے تو کسی دوسری چیز

چیز کا دعویٰ کرتے۔

گیارہواں فائدہ یہ ہے کہ اُمید ہے کہ قیامت کے روز اہل اللہ کی ستائش کرنے والے شخص کی شفاعت کی جائیگی۔ جو سگ اصحابِ کہف کی طرح چند قدم بھی اہل اللہ کے نقشِ قدم پر چلا ہو۔ اسکا معاملہ بھی اہل اللہ کے معاملہ کی طرح ہوگا اور جو شخص اہل اللہ کی محبت و دوستی کا دعویٰ کرتا ہو اور اپنی ذات کو ان سے منسلک رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و ھدایات میں مشغول رہتا ہو۔ اور ان کی تبلیغ لوگوں کے درمیان کرتا ہو تو اُمید ہے کہ اہل اللہ کی طرح اس پر بھی انعامات ربانی کی بارش ہوگی۔

بارہواں فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ المرء مع من احبہ۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے۔ لہٰذا اہل اللہ سے محبت و دوستی رکھنے والوں کا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور وہ حریم قرب میں بھی ان کا ساتھی اور مصاحب رہیگا اور اہل اللہ کی محبت و الفت، نعم جہاں کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ ایں کار دولت است اکنوں تا کرا رسد۔ محبت کی دولت کا معاملہ یہ ہے کہ اب پتہ نہیں کہ یہ دولت کس کس کو ملے۔

مذکورہ فوائد کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد اہل اللہ کے تذکرے میں موجود ہیں کہ ذاتی تذکرۃ الاولیاء۔ اس مقام پر یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ محبت و الفت رکھنے سے یہ فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں تو سرور انبیاء و سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور الفت و عقیدت کی وجہ سے برکات و فیوضات اور انعامات و اکرامات کا عالم کیا ہوگا۔

مصطفیٰ اندر میاں آنگہ کسے گوید ز عقل
آفتاب اندر جہاں آنگہ کسے جوید سُہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ھدایات لوگوں کے درمیان موجود ہوں تو پھر عقل کو کون پوچھے گا۔ آفتاب ساری کائنات کو منور کر رہا ہو تو پھر سہا نامی چھوٹے سے ستارہ کی تلاش کسے ہوگی۔

مولینا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قصیدہ الطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم، میں لکھتے ہیں کہ سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کرنا آپ کے فضائل و مناقب کا اظہار کرنا اور آپ کی نبوت کے دلائل و شواہد کا بیان کرنا، بلاشبہ فیوض و برکات اور درجات و مراتب کے حصول

کا ذریعہ ہے۔

مولینا باقر آگاہ مدراسی "ہشت بہشت" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ عقائد اور فرائض کے بعد سیرت نبوی اور شمائل نبوی کا مطالعہ بہترین عبادت ہے اور نوافل و مستحبات میں سب سے محبوب ترین اور پسندیدہ عمل ہے۔

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور قصائد و مثنویات میں اولیاء اللہ کے مناقب محامد بیان کرنا، اور انبیائے کرام و سرورِ انبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور شمائل بیان کرنا صرف مباح بلکہ افضل اور احسن ہے کیونکہ خوش آواز میں بڑی عجیب تاثیر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس جواز کے موانع نہ ہوں جیسے حروف کی تبدیلی اور مقامات نغمہ کی رعایت کا التزام اور کانوں کے ساز پر آواز کی تردید، یا اسکے موافق تالیوں کا بجانا وغیرہ۔ علاوہ ازیں ان قصائد اور مثنویات کا پڑھنا بھی کسی صحیح اور مفید غرض کے تحت ہو نہ کہ لہو و لعب کے طور پر۔

صاحب "عینی" کس شخص کی گواہی قبول کی جائے اور کس کی نہ قبول کی جائے۔ اس باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر ایسے اشعار جن میں وعظ و نصیحت اور پند و حکمت ہو تو ان کے پڑھنے اور سننے کو سارے فقہائے کرام نے جائز قرار دیا ہے۔

شیخ ابو نجیب ابو القاہر سہروردی آداب المریدین میں لکھتے ہیں۔

قصائد اور اشعار سے متعلق اسلام کا موقف یہ ہے کہ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو کلام خوبیوں اور نیکیوں سے آراستہ ہے وہ اچھا ہے اور جو خامیوں اور برائیوں سے آلودہ ہے تو وہ برا ہے۔

لہٰذا جس کلام میں حکمتیں اور نصیحتیں ہوں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کا ذکر ہو، صالحین و عارفین کی تعریف و توصیف ہو اور متقی و پرہیزگار لوگوں کی عادات و صفات کا بیان ہو تو ایسے کلام کا پڑھنا اور سننا جائز ہے، اور جس کلام میں آثارِ قدیمہ، تاریخی مقامات عہدوں اور قوموں کا ذکر ہو تو اسکا پڑھنا اور سننا مباح ہے اور جس کلام میں لغویات و ہجویات اور کم ظرفی اور مسخرہ پن کی باتیں ہوں تو اسکا پڑھنا اور سننا حرام ہے۔

حضرت کعب بن زہیر نے قصیدہ بانت سعاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ کر سنایا تو آپ نے بخوشی سماعت فرمایا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شعر پڑھنا اور سننا

جائز ہے اور یہ واقعہ بہت ہی مشہور و معروف ہے۔ اور معارج، مدارج، شواھد اور سیرت کی دیگر کتابوں میں مسطور ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج" میں لکھتے ہیں کہ عمرۃ القضا میں عبداللہ بن رواحہ جنکا شمار اسلامی شعراء اور مخلص ترین صحابہ کرام میں ہوتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے رجز یہ شعر پڑھنے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں منع کرنا چاہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ۔ انہیں منع نہ کرو! یہ اشعار کافروں کے دلوں میں تیر کی طرح اثر کر رہے ہیں۔

نیز مدارج میں لکھتے ہیں کہ بارگاہ نبویؐ کے شعراء جو اپنے کلام کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو کافروں کے شر سے محفوظ رکھتے تھے اور اپنے اشعار کے ذریعہ انکا دندان شکن جواب دیتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے اور کفار کی ہجو کیا کرتے تھے، ان میں تین حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ۔

روضۃ الاحباب" کے مصنف لکھتے ہیں کہ بارگاہ نبویؐ کے شعرائے کرام کی تعداد مردوں میں ایک سو نفر اور خواتین میں بارہ تھی۔

مرزا مظہر جان جاناں اپنے تیرھویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ۔

جو شخص محل فتنہ نہ ہو جیسے عورت اور امرد تو کلام موزوں، معدود الحان کے ساتھ کسی مانع شرعی کی مداخلت اور آمیزش کے بغیر پڑھے، اور اسکی مسحور کن آواز سے سامعین کے دلوں میں کسی برائی کی تحریک نہ ہوتی ہو بلکہ کیف و سرور اور لطف و انبساط یا حزن و غم کی کیفیت پیدا ہوتی ہو تو ایسا کلام سننا بلاشک و شبہ مباح ہے۔ کیونکہ یہ فعل دو مباح امر (کلام موزوں، آواز موزوں) سے مرکب ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں اسکو ناجائز کیونکر کہا جا سکتا ہے؟

نیز اسلام کی اول صدی میں بھی جائز و مباح تقریبات مثلاً نکاح اور اکابرین کی آمد کے موقعہ پر شعر خوانی کا معمول تھا اور کبھی کبھی امت کے جلیل القدر اور صالح علمائے کرام سے بھی اسکا صدور ہوا ہے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں سے ظاہر ہے۔

لیکن یہاں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ بزرگان کرام سے یہ عمل اتفاقی طور پر صدور پذیر ہوا ہے نہ کہ التزام اور استمرار کے طور پر۔

ان اسناد سے واضح ہے کہ بزرگانِ کرام کے منظوم شمائل و فضائل کو جو خوش آوازی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے. اگر وہ جواز کے موانع سے خالی ہو تو اسکا پڑھنا اور سننا جائز اور مباح ہے

لیکن بعض کوتاہ نظر لوگ اس چیز کو بھی بدعت ضلالت کہہ دیتے ہیں اور پڑھنے والوں اور سننے والوں پر لعن طعن اور تشنیع کرتے ہیں۔

فائدہ ۱۵

عورتوں کے حسن وجمال اور ان کے خط وخال کا تذکرہ

غیر متعین عورت اور وفات یافتہ متعین عورت کے حسن وجمال کا تذکرہ کرنا جائز ہے البتہ کسی متعین زندہ عورت کے حسن وجمال کا تذکرہ کرنا مکروہ ہے۔

کس شخص کی شہادت قبول کی جائے اور کس کی نہ قبول کی جائے۔ اس مسئلہ میں صاحب عینی فرماتے ہیں کہ عورت متعین اور رحلت شدہ ہو یا زندہ عورت غیر متعین ہو تو اسکے حسن وجمال کا تذکرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ کسی متعین ومخصوص اور زندہ عورت کا تذکرہ کرنا مکروہ ہے۔

بعض لوگ زنِ زندہ ومردہ اور متعین اور غیر متعین عورت کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہیں کرتے۔ اور عورتوں کے تذکرہ کو مطلقاً ناجائز خیال کرتے ہیں اور بزرگانِ جلیل القدر پر لعن وطعن کرتے ہیں حالانکہ کسی غیر مخصوص زندہ عورت کا تذکرہ اور ایک رحلت شدہ مخصوص اور غیر مخصوص عورت کا تذکرہ کرنا جائز ہے۔

اس افراط وتفریط کے ساتھ عجیب بات یہ ہے کہ نامور محقق علامہ جامی علیہ الرحمہ کو بے ادب کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب "یوسف زلیخا" میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت زلیخا علیہا السلام کے حسن وجمال کا تذکرہ کیا ہے اور ایک نبی کی زوجیت کا پاس ولحاظ نہیں کیا ہے۔

اس طرح سوچنے والے اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کے کفر کا تذکرہ بے ادبی نہیں ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی کے حسن وجمال کے تذکرہ کو بے ادبی پر کیوں محمول کیا جائے۔

فائدہ ۱۶

داعیانِ حق اور دعوت اِلی اللہ کے مراتب

دعوت سے مراد لوگوں کو خیر و بھلائی اور نیکی کی طرف بلانا اور انہیں شر و برائی اور گناہ سے روکنا ہے۔ اور یہ امر معروف اور نہی منکر فرض کفایہ ہے۔ اس کام کو ایک مسلمان بھی انجام دے تو دوسرے مسلمانوں کی جانب سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ "آداب الصالحین" میں مذکور ہے۔

امر اور نہی کی چار قسم ہیں۔ واجب، مندوب، مکروہ اور حرام۔

امر معروف اور نہی منکر اُس شخص کے لئے واجب ہے جسکا قول، فعل اور حکم کسی فتنہ و فساد اور انتشار کے بغیر نافذ ہو سکتا ہے اور اُس شخص کے لئے مستحسن ہے جس کا حکم نافذ تو ہو سکتا ہے لیکن اسکی تاثیر میں گمان ہے۔ اور اُس شخص کے لئے مکروہ ہے جو یہ خیال کرتا ہو کہ اسکا حکم دینا بے سود ہوگا اور وہ عدمِ قبولیت کی صورت میں ذلیل اور خوار ہو جائیگا اور اُس شخص کے لئے حرام ہے جسکے حکم سے فتنہ و فساد اور خلفشار پیدا ہوگا اور مزید ناقابل تدارک گمراہی و ضلالت کا ذریعہ بن جائیگا چنانچہ سفینہ میں مرقوم ہے۔

داعیوں اور دعوت کے درجات و مراتب متفرق اور متفاوت ہیں۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد دوم کے ۷۵ ویں مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے درجات ہیں اور داعیوں و مبلغوں کے درجات بھی متفرق ہیں علمائے کرام تبلیغ ظاہر کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیائے کرام اصلاح باطن اور تطہیر قلب کا کام کرتے ہیں۔ جو علمائے کرام صوفیا بھی ہوں تو یہ حضراتِ کرام کبریت احمر (اکسیر و کیمیا) کی طرح ہیں۔ اور یہی جماعت دعوت کے شایانِ شان ہے اور ظاہر و باطن کی تبلیغ کی سزاوار ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث اور نائب ہے۔

حضرات محدثین کرام جو احادیث نبوی ؐ کی تبلیغ کا کام انجام دے رہے ہیں ان کے تعلق سے ایک طائفہ کی رائے ہے کہ یہ حضرات اس امت میں افضل ہیں ان حضرات کو اگر مطلقاً افضل قرار دیا جائے تو یہ رائے مناقشہ اور خلش کا پیش خیمہ ہوگی اور اگر مبلغین ظاہر کے مقابلہ میں انہیں افضل قرار دیا جائے تو یہ رائے مبنی بر صحت ہونے کی گنجائش ہے۔ مطلق فضیلت تو ظاہر اور باطن

کے جامع داعیوں اور مبلغوں کے ساتھ مخصوص ہے جو تبلیغ ظاہر اور تبلیغ باطن کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور دونوں کی دعوت دیتے ہیں۔

لہٰذا ان دونوں شعبوں میں سے کسی ایک شعبہ میں بھی کمی نقص کے مترادف ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نقص مطلق فضیلت کے منافی ہے ہر چند کہ ظاہر بہت عمدہ کثیر البرکات، عمومی افادیت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ لیکن اسکا کمال باطن کے ساتھ مربوط اور منسلک ہے۔ ظاہر باطن کے بغیر نامکمل اور ادھورا ہے، اور باطن ظاہر کے بغیر ناقابل التفات اور انجام بد کا موجب ہے۔ اور جو علماء باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کرلیں وہی اکسیر اور کیمیا کا درجہ رکھتے ہیں۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انك على كل شئ قدير اے ہمارے رب کریم، پوری فرما دے ہم کو ہماری روشنی۔ اور ہم کو معاف فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ دعوت لسانی ہے یا قلبی ہے، دعوت لسانی کا کام تو ہر مبتدی اور متعلم جو کسی دینی درسگاہ میں ہے۔ اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد و رفت رکھتا ہے اپنی وسعت کے مطابق انجام دے رہا ہے لیکن دعوت قلبی کا کام انجام دینا انتہائی مشکل ہے۔ اسی لئے جلیل القدر علماء اور صوفیاء نے دینی علوم کی حفاظت اور امور دین کے انتظام کے خیال سے دعوت قلبی کے فریضہ کو انجام دینے میں غیر معمولی اہتمام کیا تاکہ ان کے علوم و عوارف صدیاں گذرنے کے بعد بھی محفوظ رہ سکیں اور زمانے کے لوگ ان سے مکمل استفادہ کرسکیں۔ لیکن اسکے باوجود یہ حضرات اپنی وسعت و طاقت کی حد تک دعوت لسانی میں بھی مشغول رہے۔ ہاں! البتہ یہ حضرات منبر آرا نہیں تھے۔

دونوں جماعت کے منبر آراء حضرات امر معروف اور نہی منکر کو منبر آرائی میں محصور خیال کرتے ہیں اور کیا بحر العلوم عبد العلی لکھنوی ثم المدراسی مولینا مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی۔ مولینا مولوی ارتضا علی خان وغیرہ اور کیا امام ربانی مجدد الف ثانی، مولینا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولینا مولوی سید ماجد وغیرہ کے حضرات کرام کو وعظ و تقریر ترک کرنے کا طعنہ دیتے ہیں۔ ایسے طاعن لوگوں سے منہ نہ لگانا چاہئے اور ان کی طعنہ زنی کسی مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء علوم الدین میں ربع مہلکات میں ایسے ہی منبر آراء خطیب اور واعظ کی سرزنش و ملامت میں رقمطراز ہیں۔

وعظ و تقریر کے لئے ایسے اشخاص کو

منبر سونپ دیا گیا ہے جن کے اندر خوفِ خدا کا فقدان ہے اور دین میں ان کی بصیرت مفقود ہے اور دنیا میں ان کی رغبت حد درجہ ہے اور ان کے اندر لوگوں کو اپنا متبع و پیرو کار بنانے کی حرص ہے اور ان کے اندر تعصب و طرفداری کا مرض ہے اور اسی تعصب و طرفداری، تنگ نظری اور کوتاہ ظرفی کے باعث قیادت و سیادت کا منصب حاصل نہ کرسکے اور اس تعصب کو اپنے دلوں میں مستحسن سمجھ بیٹھے اور شیطان کے مکر و فریب سے آگاہ اور متنبہ نہ ہوسکے بلکہ اپنے مکر و فریب کی تنفیذ میں شیطان کے نائب بن گئے اور عوام الناس نے اس مکر و فریب پر مداومت اختیار کرلی اور اپنے دین کے ضروری امور و احکام کو طاقِ نسیاں کی نذر کر دیا ان واعظوں اور خطیبوں نے نہ صرف خود کو ہلاک کیا بلکہ عوام کو بھی ہلاکت کے بھنور میں جھونک دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔ شیخ فریدالدین عطار نے "تذکرۃ الاولیاء" میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بصرہ تشریف لائے اور اونٹ کی نکیل کمر میں باندھے ہوئے اور تین روز سے زیادہ قیام نہیں کیا کہ ماحول کا مکمل جائزہ لے لیا اور منبر توڑنے کا حکم دیا اور تمام واعظوں اور خطیبوں کو وعظ و خطابت سے روک دیا۔ اور حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کی مجلس میں تشریف لے گئے اور ان سے سوال کیا کہ کیا آپ عالم ہیں یا متعلم؟ عرض کیا کہ میں نہ عالم ہوں نہ متعلم بلکہ جس شخص سے بھی نبی کریم ؐ کی حدیث مجھ تک پہنچی ہے اسکو بتا دیتا ہوں حضرت علیؓ نے انہیں تقریر اور تدریس سے منع نہیں کیا اور یہ فرماتے ہوئے بصرہ سے رخصت ہو گئے کہ یہ نوجوان شائستہ سخن کا مالک ہے۔

فائدہ ۱۷ قبر پر عمارت اور گنبد کی تعمیر کے احکام

قبر پر عمارت کی تعمیر کے جواز اور عدم جواز کے مسئلہ میں فقہائے احناف کے درمیان اختلاف ہے اور مختار موقف یہ ہے کہ عمارت بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ صاحب تنویر الابصار فرماتے ہیں، قبر کے اوپر عمارت نہیں بنانا چاہیئے، مختار مسلک یہ ہے کہ تعمیر میں کوئی مضائقہ نہیں، اور صاحب الدرّ المختار شرح تنویر الابصار بھی یہی فرماتے ہیں جیسا کہ کتب فقہیہ السلے جیبہ" میں مرقوم ہے۔

طحطاوی کے حاشیہ الدرّ میں مرقوم ہے (لاباس بہ قبر پر عمارت اور گنبد کی تعمیر میں کوئی مضائقہ نہیں) جواز کا یہ پہلو اس شرط اور قید کا متقاضی ہے کہ عمارت اور گنبد وغیرہ کی تعمیر حلال مال سے ہو اور اس میں زینت و نمائش، فخر و مباہات اور تفاخر کے جذبات نہ ہوں۔ ورنہ اسکے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ موجودہ زمانے میں مزارات کے اوپر سنگِ مرمر اور سونے سے ملمع شدہ پتھروں سے عمارات بنا رہے ہیں۔

شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی "شرح سفر السعادۃ" میں فرماتے ہیں کہ

مصنف علیہ الرحمہ نے جو تحریر کیا ہے کہ مزارات پر عمارت نہیں بنانی چاہئے یہ صحیح اور درست ہے اور اس باب میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور حضرات صحابہ کرام کے زمانے میں یہی طریقہ تھا۔ اسکے بعد ہی مزارات پر یہ سارے تکلفات پیدا ہوگئے۔ اور ان کے اندر مفاخرت اور مباہات نے راہ پائی اور آخر زمانے میں عوام کی کوتاہ اندیشی کے باعث اولیاء اللہ کی مزارات پر عمارت اور گنبد وغیرہ کی تعمیر و ترویج میں ظاہر اگرچہ مصلحتیں دیکھتے ہوئے چند چیزیں بڑھا دی گئیں تاکہ اس جگہ سے مسلمانوں کی شان و شوکت اور اولیاء اللہ کی عظمت و بزرگی نمایاں ہو سکے اور بالخصوص ہندوستان کے اندر (دین کے دشمن کفار و ہنود کی کثرت ہے) ان مقامات کی شان و شوکت کی عظمت و بلندی اور ترویج سے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ پیدا ہو سکتا ہے، اور دین حنیف کی جانب کفار و ہنود کے رجحان و میلان کا سبب بن سکتا ہے، اور بہت سے اعمال و افعال اور طور و طریقے جو سلف کے زمانے میں مکروہات سے تھے۔ آخر زمانے میں مستحسنات

بن گئے۔ اگر عوام اور جہلا مزارات کے پاس غیر شرعی افعال کا ارتکاب کریں تو یقینی ہے کہ ان امور سے اولیاء اللہ و بزرگانِ دین کی ارواح راضی نہیں ہوں گی۔ اور ان کی دین داری و راستی اور بزرگی و کمال کا دامن داغ دار نہیں ہوگا۔

نیز مدارج النبوۃ۔ کی پہلی جلد کے اندر نماز جنازہ میں شامل ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ قبر کو بلند اور اونچی نہیں کرنا چاہیئے اور اس پر سنگ و خشت سے عمارت نہیں بنانا چاہیئے اور اس کو سخت مٹی اور چونہ سے نہیں بنانا چاہیئے اور قبر کے اوپر عمارت اور گنبد تعمیر نہیں کرانا چاہیئے۔ یہ سب بدعت اور مکروہ ہے جیسا کہ "سفر السعادۃ" میں مرقوم ہے۔

مطالب المومنین۔ میں مرقوم ہے کہ علمائے سلف نے مشہور مشائخ اور علماء کی مزارات پر عمارت تعمیر کرنے کو مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کر سکیں اور اسکے سایہ میں بیٹھ سکیں اور اس میں آرام و استراحت کر سکیں۔

مفاتیح شرح مصابیح سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے شہر بخارا میں مزارات کو دیکھا جن کے اوپر تراشیدہ اینٹوں سے عمارت تعمیر کی گئی ہے اور اسماعیل زاہد جن کا شمار مشاہیر فقہائے کرام میں ہوتا ہے انہوں نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے۔

مولینا عطاء اللہ سمرقندی جو دار الخلافت شاہجہان آباد میں مدرس تھے "رسالہ غفور علی دار السرور" میں مطالب المومنین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مشہور علماء و مشائخ کی مزارات کے اوپر عمارت اور گنبد وغیرہ کی تعمیر کو علمائے سلف نے مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت سے مشرف ہوسکیں اور اس میں آرام و استراحت کر سکیں۔ عمارت اور گنبد کی تعمیر کے مباح ہونے کے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار انور کے اوپر عمارت و گنبد تعمیر کی گئی حالانکہ حضرات خلفائے راشدین کے زمانے میں نہیں تھی۔

اس مسئلہ میں نجدی وہابی کے غلو اور تشدد کی کوئی حد ہی نہیں رہی کہ جس شہر میں بھی کسی مزار کے اوپر عمارت اور گنبد نظر آئے تو سارے شہر والوں کو کافر کہہ رہے ہیں۔ "مولینا سید علوی حسینی شافعی نے بھی "مصباح الانام" کی تیرھویں فصل میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالی نجدیوں کو اعتدال کی راہ پر گامزن رہنے کی ہدایت عطا کرے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس شہر میں بھی مزار کے اوپر عمارت اور گنبد ہے وہاں کے باشندے کافر ہیں اور وہ گنبد

بن گئے۔ اگر عوام اور جہلا مزارات کے پاس غیر شرعی افعال کا ارتکاب کریں تو یقینی ہے کہ ان امور سے اولیاء اللہ و بزرگانِ دین کی ارواح راضی نہیں ہوں گی۔ اور ان کی دین داری و راستی اور بزرگی و کمال کا دامن داغ دار نہیں ہوگا۔

نیز مدارج النبوۃ۔ کی پہلی جلد کے اندر نماز جنازہ میں شامل ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ قبر کو بلند اور اونچی نہیں کرنا چاہئے اور اس پر سنگ و خشت سے عمارت نہیں بنانا چاہئے، اور اس کو سخت مٹی اور چونہ سے نہیں بنانا چاہئے اور قبر کے اوپر عمارت اور گنبد تعمیر نہیں کرانا چاہئے۔ یہ سب بدعت اور مکروہ ہے جیسا کہ "سفر السعادۃ" میں مرقوم ہے۔

مطالب المومنین۔ میں مرقوم ہے کہ علمائے سلف نے مشہور مشائخ اور علماء کی مزارات پر عمارت تعمیر کرنے کو مباح قرار دیا ہے۔ تاکہ لوگ ان کی زیارت کر سکیں اور اسکے سایہ میں بیٹھ سکیں، اور اس میں آرام و استراحت کر سکیں۔

مفاتیح شرح مصابیح سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے شہر بخارا میں مزارات کو دیکھا جن کے اوپر تراشیدہ اینٹوں سے عمارت تعمیر کی گئی ہے اور اسماعیل زاہد جنکا شمار مشاہیر فقہائے کرام میں ہوتا ہے انہوں نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے۔

مولینا عطاء اللہ سمرقندی جو دار الخلافت شاہ جہاں آباد میں مدرس تھے" رسالہ غفور علی دار السرور" میں مطالب المومنین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مشہور علماء و مشائخ کی مزارات کے اوپر عمارت اور گنبد وغیرہ کی تعمیر کو علمائے سلف نے مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت سے مشرف ہو سکیں اور اس میں آرام و استراحت کر سکیں۔ عمارت اور گنبد کی تعمیر کے مباح ہونے کے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارِ انور کے اوپر عمارت و گنبد تعمیر کی گئی حالانکہ حضرات خلفائے راشدین کے زمانے میں نہیں تھی۔

اس مسئلہ میں نجدی وہابی کے غلو اور تشدد کی کوئی حد ہی نہیں رہی کہ جس شہر میں بھی کسی مزار کے اوپر عمارت اور گنبد نظر آئے تو سارے شہر والوں کو کافر کہہ رہے ہیں" مولینا سید علوی حسینی شافعی نے بھی "مصباح الانام" کی تیرھویں فصل میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نجدیوں کو اعتدال کی راہ پر گامزن رہنے کی ھدایت عطا کرے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس شہر میں بھی مزار کے اوپر عمارت اور گنبد ہے وہاں کے باشندے کافر ہیں اور وہ گنبد

بت کی طرح ہے۔

ان کے اس موقف سے صدیوں کے مسلمان صالحین، علماء، اکابرین سلف و خلف کو کافر قرار دینا ہے اور یہ موقف اجماع فعلی کے خلاف بھی ہے کیونکہ اچھے اور نیک زمانوں میں بھی حضرات انبیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت اور گنبد کی تعمیر کا کام ہوتے آرہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید امام ابن مفلح حنبلی "الفصول" میں فرماتے ہیں۔

قبر کے اوپر گنبد اور احاطہ وغیرہ کی تعمیر اس وقت درست اور مباح قرار دی جا سکتی ہے جب کہ وہ جگہ شخصی ملکیت سے تعلق رکھتی ہو، اور اگر قبر قبرستان میں واقع ہو تو پختہ مزار گنبد اور احاطہ وغیرہ کی تعمیر مکروہ ہوگی۔ کیونکہ ان کی تعمیرات سے دیگر اموات کی تدفین میں بے ضرورت تنگی واقع ہو جائے گی اور ان چیزوں سے قبرستان کا استعمال ایسے امور میں ہوگا جن کے لئے وہ نہیں بنایا گیا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر امام احمد بن حنبل کے مذہب کو جاننے والا امام ابن مفلح حنبلی سے بڑھکر میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا۔

امام ابن مفلح حنبلی کا یہ قول "فی المسئلۃ بلا فائدۃ" اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ صاحب قبر یقیناً عالم اور ولی نہیں ہے۔ لیکن ان دونوں کی زیارت کا قصد کرنا مندوب ہے جیسا کہ حضرات انبیائے کرام کی زیارت کا قصد و ارادہ امر مستحسن ہے۔ اور زائرین، قبر پر بنی ہوئی عمارت سے گرمی، سردی، ہوا اور بارش سے محفوظ رہنے کے لئے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور یقیناً وسائل، مقاصد کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

نیز مولینا سید علوی حسینی شافعی، مذکورہ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

علامہ ابن حجر مکی نے وضاحت کی ہے کہ غیر قبرستان میں عالم اور ولی کی مزار پر قبہ کی تعمیر مستحسنات میں سے ہے چنانچہ التحفہ باب الوصیت میں فرماتے ہیں کہ میت نے جو وصیت کی ہے اگر وہ جہت عامہ سے تعلق رکھتی ہے تو شرط یہ ہے کہ وصیت کسی گناہ اور معصیت میں نہ ہو اور عدم معصیت مستحسن کو شامل ہے جیسے کافر سے مسجد کی تعمیر کرنا، اور غیر قبرستان میں عالم اور ولی کی قبر پر قبہ وغیرہ کا تعمیر کرنا۔ علامہ ابن حجر سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر یہ چیز غیر عالم کی قبر پر ہو تو کیا یہ جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا اگر احاطہ سے مراد قبر کے اطراف عمارت بنانا ہے گھر کی طرح، یا قبہ وغیرہ کی تعمیر مراد ہے تو یہ کراہت تنزیہی ہے۔

اگرچہ کہ یہ عمارت وغیرہ شخصی ملکیت ہی میں کیوں نہ ہو اور قبرستان میں عالم اور ولی کے مزار کے اوپر قبہ وغیرہ کی تعمیر ممنوع ہے۔

اس موقف کو امام حلبی نے ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علماء اور اولیاء رحمہم اللہ کی مزارات، مذکورہ ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا قبرستان کے اندر بھی ان حضرات کی مزارات پر عمارت و گنبد کی تعمیر ممنوع نہیں ہے کیونکہ ان کی قبر کھودنا اور اس میں دوسرے کو دفن کرنا حرام ہے اور عمارت و گنبد وغیرہ کی تعمیر ان حضرات کی تعظیم و تکریم کے لئے ہے اور لوگوں کو ان کی زیارت کی دعوت دینے کے لئے ہے۔ لہٰذا ابن حجر کے قول مذکورہ سے کہیں التباس نہ ہونے پائے۔

علامہ ابن حجر کے موقف پر علامہ طاہر بن حبیب محمد بن ہاشم باعلوی نے بھی ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے کہ قبر کے اوپر صندوق کے مثل کسی چیز کو رکھنا یا لاش کی حفاظت کے خیال سے کسی چیز کا رکھنا جائز ہے اور نبش یعنی لاش کو کھود کر نکالے جانے کے خوف کی صورت میں تو ایسی چیز کا استعمال کرنا واجب ہے جسکے ذریعہ لاش کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ بات لاش کے بوسیدہ نہ ہونے تک کی مدت کے لئے ہے۔ اور پھر اس کے بعد نبش سے منع کیا جائیگا۔ اس لئے کہ کھود کر نکال لئے جانے کا خوف نہ اب ہے۔ اور نہ آئندہ۔ اور عالم و ولی کی مزار پر صندوق رکھنے والے پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔ اور یہی بات "تحفہ" میں بیان کی گئی ہے۔ اور حنفیوں و مالکیوں کا موقف بھی یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ لیکن بجز عالم اور ولی کی قبر کے اوپر قبہ کی تعمیر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر محمول کیا جائے جسکو علامہ شربینی نے اقناع میں ذکر کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب قبر کے اوپر قبہ دیکھا تو فرمایا۔ یہ چیز نکال دو۔ صاحب قبر کے لئے اسکا عمل ہی اسکے حق میں سایہ دار ہے یعنی کوئی بھی اسکی زیارت کا قصد نہیں کرتا۔ برخلاف نبیؐ، عالم، ولی اللہ کے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے جب شام فتح کیا تو آپ نے حکم نہیں دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر حضرات انبیائے کرام کی مزارات کے اوپر سے قبہ وغیرہ نکال دیا جائے اور ان گنبدوں کو اسی حالت میں برقرار رکھا گیا جو ایک قابل غور و لائق تقلید اقدام ہے۔

مذاہب اربعہ کے فقہائے کرام کی آرا اور مواقف کی تشریحات سے ہم نے اس مسئلہ کو

بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ نجدیوں کی ضلالت اور ان کا بہتان عظیم اور ان کا گنبدوں کو منہدم کرنا اور مزارات کو مسمار بنا اور اصحاب قبور کی توہین کرنا اور مزارات پر گنبدوں کی وجہ سے انہیں صنم و بت کہہ کر شہر والوں کو کافر قرار دینا یہ کس قدر تشدد اور کس قدر انتہا پسندی موقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نجدیوں کو اختلافی مسائل میں اعتدال و توازن و میانہ روی کی توفیق عطا فرمائے۔

اگر سایہ مطلقاً ممنوع ہوتا تو دنیا بھر کے علماء و اولیاء اللہ اور خود طاعن الشماس کے مشائخ کرام کی قبروں پر عمارتوں اور گنبدوں کو تعمیر نہیں کیا جاتا تھا اور امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ النعمان جن کا شمار حضرات تابعین میں ہوتا ہے ان کی مزار پر تبع تابعین کے زمانے میں گنبد تعمیر نہیں کی جاتی تھی اور حضرات صحابہ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض کو زیر سایہ نہیں رکھتے تھے۔ اس مسئلہ میں طاعن الشماس کا تعصب اور غلو دیکھنے کے لائق ہے کہ نوبت حضرات صحابہ رض کی تضلیل تک پہنچا دیتے ہیں بلکہ صحابہ کرام کے اجماع کے منکر ہو تے جا رہے ہیں نجاهم اللہ تعالیٰ عن التعصب والعناد وهداهم الی سبیل الرشاد۔

فائدہ ۱۸

اہلِ قبلہ کی تکفیر کے احکام

اہلِ قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں ہے اور اہلِ قبلہ سے مراد امتِ محمدی ﷺ کے تہتر فرقے ہیں جن کو امت اجابت کہتے ہیں اور غیر اہلِ قبلہ سے مراد کفار کے فرقے ہیں جن کو امت دعوت کہتے ہیں۔ اور اہلِ قبلہ مومن ہیں اور ان کے مومن ہونے پر اجماع ہے۔ اہل ایمان میں نجات پانے والا فرقہ یعنی اہلِ سنت و جماعت اعمال (فاسدہ) کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائیگا اور باقی بہتر فرقے اعمال اور اعتقاد (فاسد) کی وجہ سے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے لیکن کوئی فرقہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہیگا۔ چنانچہ اسکی تفصیل و تشریح، عقائد ملا جلال' میں ملا جلال الدین دوانی نے بیان کی ہے۔

ملا علی قاری "منح الازھر" میں لکھتے ہیں کہ۔

تکفیر کے مسئلہ میں کفر کے ننانوے احتمال ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کا موجود ہو تو ایسی صورت میں مفتی اور قاضی کے لئے یہی اولیٰ ہے کہ اسی نفی والے احتمال کو اختیار کرتے ہوئے ایک مسلمان کو کافر قرار دینے سے احتراز کرے کیونکہ ایک مسلمان کو فنا کرنے کی غلطی کرنے سے کہیں زیادہ بات سہل ہے کہ ہزار کافروں کو باقی رکھنے کی غلطی کر دے۔ مسئلہ تکفیر میں اس بات کی تصریح بھی ہے کہ کلمۂ کفر کہنے والے آدمی کی جانب سے اسکی تاویل قبول کی جائیگی۔ اس قول میں بعض فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ اور یہ تمام بحث اس وقت ہے جبکہ قائل کی زبان سے عمداً کفر کا کلمہ صادر ہوا ہو۔ اور اگر سہواً و نسیاناً صادر ہوا ہو تو کوئی بحث ہی نہیں کیونکہ یہ قابل عفو ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو غلطیاں میری امت سے خطا و نسیان اور جبر و اکراہ کی وجہ سے صادر ہوں گی وہ قابل عفو ہیں۔ اور قاضی خان نے اپنے فتاوی میں صراحت کی ہے کہ بے شک جب خاطی (وہ شخص جو اپنے ارادے سے خطا کرے) کی زبان سے کلمۂ کفر صادر ہو تو اسکو خطا ہی سے تعبیر کیا جائیگا۔ اور اس سے کفر لازم نہیں آئیگا اور اس مسئلہ میں سارے فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

"ینابیع" میں مرقوم ہے۔

جب کسی مسئلہ میں ایسے متعدد اسباب

اور وجوہ پائے جاتے ہوں جن سے تکفیر لازم آتی ہے تو علت بیان کرنا واجب ہے اور صرف ایک وجہ مانع تکفیر ہے تو ایسی صورت میں مفتی پر واجب ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اسی مانع تکفیر وجہ کو اختیار کرے اور اگر قائل کی نیت اس مانع تکفیر وجہ کے ساتھ مطابق ہو تو وہ مسلمان ہے اور اگر قائل کی نیت تکفیر کو واجب کر دینے والی وجہ کے ساتھ مطابق ہو تو مفتی کا فتویٰ نفع نہیں دے گا۔ لہٰذا مفتی کو چاہیئے کہ قائل کو کلمۂ کفر سے رجوع کرنے اور توبہ کرنے اور اپنی بیوی کے ساتھ نکاح کی تجدید کرنے کا حکم دے۔

"تتمیمہ" میں مرقوم ہے کہ

امام اعظم ابو حنیفہ النعمان نے فرمایا کلمۂ کفر، کفر نہیں ہے جب تک کہ اسکے ساتھ قلبی اعتقاد موجود نہ ہو۔

"حاشیہ سراجیہ" اور "محیط" اور "ذخیرہ" میں مرقوم ہے کہ۔

مسلمان کافر نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کفر کا ارادہ نہ کرے اگرچہ کہ کلمات کفر اسکی زبان سے نکل گئے ہوں۔

خلاصہ میں مرقوم ہے کہ۔

مسئلہ تکفیر میں بنیادی اصول یہ ہے کہ محتمل الفاظ کے ذریعہ کسی شخص کی تکفیر نہ کی جائے کیونکہ کفر، عقوبت کے باب میں آخری درجہ ہے اور اس سے بڑھکر کوئی درجہ نہیں۔ لہٰذا گناہ کے باب میں بھی آخری درجہ کے گناہ کا متقاضی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محتمل الفاظ کے ساتھ کفر، انتہائی درجہ کا گناہ نہیں ہے۔

"ملتقط" میں مرقوم ہے کہ۔

جب کسی عالم کے سامنے ایک مسلمان کو کافر قرار دینے کا قضیہ پیش آئے تو اسکو چاہیئے کہ اہل اسلام کی تکفیر میں جلدی نہ کرے جب کہ تلواروں کی چھاؤں میں جبر و اکراہ کی وجہ سے کلمات کفر کہنے والے مسلمان کے حق میں اسلام کا ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

"شیخ الھند عبد الحق محدث دہلوی" "تکمیل الایمان" میں فرماتے ہیں کہ۔

ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہیں گے۔ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے قبلہ کی جانب نماز ادا فرماتے ہیں۔ قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اور توحید و رسالت محمدی ﷺ کا اقرار کرتے ہیں۔ تو ان کو کافر نہیں کہنا چاہیئے اگرچہ کہ ان کے بعض کلمات سے کفر لازم آرہا ہو لیکن جب تک کہ وہ کلمات کفر کو لازم نہ کرلیں۔ یا کلمات کفر کا لزوم انکے ساتھ خوب اچھی طرح ظاہر نہ ہو تو ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے۔ جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کے حال کی اصلاح اور

توجیہہ کرنی چاہیئے اور کسی آدمی پر سختی کرنے میں اور کافر کہہ دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ حدیث شریف ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص کو کافر کہہ دے اور اگر وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کہنے والا شخص ہی اس وقت کافر ہو جائیگا۔

مولینا سید علوی شافعی "مصباح الانام" کی پانچویں فصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ جاہل اور مخطی[1] شخص اگر اعمال کفر و شرک کا مرتکب ہو تو اسکو کافر اور مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بلاشبہ وہ خطاء اور جہل کی وجہ سے معذور ہے یہاں تک کہ اسکے سامنے ایسی دلیل وحجت بیان کی جائے جسکا ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہو۔ وہ دلیل یہ ہے کہ امام وقت یا اسکے نائب کا جاہل اور مخطی کو بلاکر ایسے افہام و تفہیم سے کام لینا کہ اس جیسوں کو کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے ۶۶ ویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ۔

کفر کی سزا دوزخ کا ابدی عذاب ہے اور بس۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ ایک آدمی مسلمان ہونے کے باوجود کفر کے رسوم ادا کرتا ہے اور کفار کے مراسم کی تعظیم بجالاتا ہے اور علماء اسکے کافر ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اسکو مرتد شمار کرتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلاء میں پھنسے ہوئے ہیں اور علماء کے فتوؤں کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ شخص آخرت میں ابدی عذاب اور دائمی عقوبت میں گرفتار رہے حالانکہ صحیح احادیث میں ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ دوزخ سے نکالا جائیگا اور اسکو ابدی عذاب میں گرفتار نہیں کیا جائیگا تو ایسی صورت میں آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی تحقیق کیا ہوگی؟

ہم اسکا جواب یہی دیں گے کہ اگر کافر محض ہے تو اسکیلئے آخرت میں ابدی عذاب ہے اعاذنا اللہ سبحانہ منہ۔ اور اگر کوئی شخص مراسم کفر کو ادا کرنے کے باوجود ذرۂ ایمان سے بہرہ ور ہے تو دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ لیکن اس ذرۂ ایمان کی برکت کی وجہ سے ابدی عذاب سے نجات پائے گا اور امید ہے کہ اسکو دائمی نجات حاصل ہوگی۔

یہ فقیر ایک مرتبہ ایسے ہی شخص کی عیادت کے لئے گیا جو سکراتِ موت میں گرفتار تھا۔ میں نے اسکے حال کی جانب توجہ کی تو معلوم ہوا کہ اسکا

ہ۱ مخطی وہ شخص جو ارادہ نیکی کا کرے۔ اور اچانک اور بے قصد اس سے خطا سرزد ہو جائے اور خاطی وہ شخص جو قصداً اپنے ارادے سے خطا کرے۔

قلب بہت ساری ظلمتوں کا شکار ہے ہر چند کہ میں ان ظلمتوں کو دور کرنے کی جانب متوجہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ بہت توجہ کے بعد مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ یہ ظلمتیں جو اسکے قلب پر چھائی ہوئی ہیں کفر کی صفات سے پیدا ہوئی ہیں اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کے پیدا ہونے کا سبب مسلسل مراسم کفر کا ادا کرنا ہے اور اہل کفر کے ساتھ کثرت میل جول اور اختلاط کا نتیجہ ہے اور ان ظلمتوں و کدورتوں کا تنقیہ و طہارت عذاب دوزخ کے ساتھ مربوط ہے جو کہ کفر کی سزا ہے تو توجہات سے یہ ظلمتیں دور نہیں ہو سکتیں۔

نیز اسکے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی موجود ہے تو مجھے اطمینان ہوا کہ وہ اسکی برکت سے دوزخ سے نجات پا جائیگا۔ جب میں نے اسکے اندر اس حالت کا مشاہدہ کیا تو میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟ تھوڑی دیر توجہ کے بعد مجھے انشراح ہوا کہ اسکی نماز جنازہ پڑھنا چاہیئے۔

لہٰذا جو مسلمان ایمان کے باوجود بدقسمتی سے کفار کے رسوم ادا کرتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیئے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیئے اور کافروں کے ساتھ ملحق نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ آج عمل کیا جا رہا ہے۔ اور اس بات کے متمنی اور امیدوار رہنا چاہیئے کہ آخر کار ایسے مسلمان ایمان کی ہلکی سی روشنی کی برکت سے ابدی عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

(الف) اہلِ سُنّت وجماعت کو بدعتی کہنے کے احکام

اہل سنت وجماعت کی جانب بدعت کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اور اس طائفہ کو بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے مبتدع بدعتی اور راہل ہوا نہیں کہنا چاہئے کیونکہ ان الفاظ کا اطلاق روافض، خوارج، جبریہ قدریہ، ظاہریہ، باطنیہ اور باقی بہتر بدعتی فرقوں پر ہوتا ہے جو بدعت کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

مولینا شاہ اسمٰعیل دہلوی مقدمہ ایضاح الحق کی پہلی فصل میں سنی کو بدعتی اور کافر کہنے کی ممانعت میں لکھتے ہیں کہ

ہر چند کہ شریعت مطہرہ میں بہت سے اعمال اقوال اور اخلاق کو کفر و نفاق کا ایک حصہ بتلایا گیا ہے لیکن کافر اور منافق کا لفظ بولنے سے فوری طور پر ذہن ایک ایسے مخصوص آدمی کی جانب مائل ہو جاتا ہے جو کفر اور نفاق کا عقیدہ رکھتا ہے۔

بالکل اسی طرح یہ بات بھی جاننا چاہئے کہ ہزاروں امور بدعات کی قسم سے ہیں جنکا کچھ حصہ بطورِ نمونہ یہاں پیش کیا گیا ہے لیکن کسی خاص شخص پر بدعتی کا لفظ بولنے سے فوری طور پر یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص بدعت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو بدعت عملیہ کی ساری اقسام اور بدعت حقیقیہ کی بقیہ اقسام کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بدعتی نہیں کہنا چاہئے۔ اسی لئے بعض وہ اعمال اقوال اور اخلاق جو کفر و نفاق سے تعلق رکھتے ہیں ان کی وضاحت سے مقصد یہی تھا کہ لوگ ان افعال اور اخلاق سے اجتناب کریں نہ کہ کفار و منافقین کے احکامات مثلاً قتل کرنا، لوٹ لینا، قید کرنا، غلام بنا لینا، جزیہ عائد کرنا، ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا، ان کی قبروں کی زیارت نہ کرنا، ان کے مردوں کے حق میں استغفار نہ کرنا، کو بدعات حکمیہ و حقیقیہ کے مرتکب پر جاری اور نافذ کریں۔ اور اسی طرح اقسام بدعت کی تشریح سے بھی مقصد یہی تھا کہ لوگ مذکورہ تمام اقسام سے پرہیز کریں اور سنت خالصہ کو اختیار کریں نہ کہ حدیث نبوی میں اہل بدعت کے بارے میں آئے ہوئے احکامات مثلاً ان کے اعمال کا ضائع ہونا، ان کی تعظیم و تکریم کو ممنوع کہنا، ان کی عیادت و مزاج پرسی سے اجتناب کرنا۔ ان کے ساتھ میل جول اور صحبت سے احتراز کرنا، ان سے سلام اور کلام میں پہل نہ کرنا، کو بدعت حکمیہ و حقیقیہ کے مرتکب لوگوں پر جاری اور نافذ کریں۔

حفظنا اللہ کوئی حق و انصاف کا متلاشی اس افراط اور غلو کے راستہ کو اختیار کرلے نعوذ باللہ من ذالک۔

(ب) دین و اسلام کے مذاہب میں جدال اور بات چیت میں مخالفت کے احکام!

دین و اسلام کے مذاہب (فقہی مذاہب) میں جنگ و جدال کرنا اور بات چیت میں ردو کد کرنا جائز نہیں ہے۔ امام غزالی کیمیائے سعادت کی تیسری اصل میں لکھتے ہیں۔

تیسری آفت یہ ہے کہ بات چیت میں خواہ مخواہ مخالفت کرنا اور لڑائی جھگڑا مول لینا اسکو خود نمائی کہتے ہیں۔ یہ ایسے آدمی کی عادت ہوتی ہے کہ اسکے سامنے جو بات بھی کہی جائے وہ اسکی تردید کردے گا اور کہے گا کہ بات ایسی نہیں ہے۔ اس طرح کی بات چیت سے اسکے ذہن میں یہ مفہوم رہتا ہے کہ مخاطب احمق، نادان اور دروغ گو ہے۔ اور میں ہی زیرک و چالاک اور عاقل و راست گو آدمی ہوں۔

اس طرح کے مزاج والے شخص میں دو مہلک صفات کو بڑی تقویت پہنچتی ہے۔ ایک تکبر، دوسری درندگی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بات چیت کے دوران خواہ مخواہ مخالفت کرنے اور لڑنے جھگڑنے سے خود کو محفوظ رکھے اور باطل گوئی سے کام نہ لے تو اسکو جنت میں گھر عطا کیا جائیگا۔ اور اگر بات چیت حق ہی تھی پھر بھی کچھ نہ کہا تو جنت کے اعلیٰ درجے میں گھر عطا کیا جائیگا۔ ثواب کی یہ زیادتی اس لئے ہے کہ جھوٹ اور محال پر صبر و ضبط کرنا بہت دشوار امر ہے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ لڑنے جھگڑنے اور مخالفت سے کنارہ کش نہ ہو جائیں اگرچہ کہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ لڑائی و جھگڑا اور مخالفت و ردوکد نہ صرف مذاہب کے باب میں مذموم ہے بلکہ اس طرح کی باتوں میں بھی مذموم اور ناپسندیدہ ہے جو بظاہر چھوٹی سی معلوم ہوتی ہیں مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ یہ انار میٹھا ہے تو آپ اسکی مخالفت و دشمنی کی وجہ سے یہ کہیں کہ میٹھا نہیں ہے۔ یہ ترش ہے یا کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں مقام سے فلاں مقام تک کی مسافت ایک فرسنگ ہے تو

آپ کہیں کہ ایک فرسنگ ہرگز نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر لڑائی جھگڑا جو کسی شخص کے ساتھ کیا گیا ہو اسکا کفارہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز ادا کی جائے اور یہ بھی لڑائی اور جھگڑا ہے کہ کوئی شخص بات چیت کرے تو تم اسکے کلام میں غلطی پکڑنے کے درپے ہو جاؤ اور اسکے خلل اور خطاء کو نمایاں کرنے میں لگ جاؤ۔ یہ سب حرام ہے کیونکہ اس چیز سے رنجیدگی و دل آزاری کے سوا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور ایک مسلمان کو بے ضرورت رنجیدہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ اور اس قسم کی چیزوں میں لوگوں کی خطاؤں کا اظہار اور ان کی غلطیوں کی تشہیر کوئی فرض نہیں ہے۔ بلکہ اسکے برعکس خاموشی اور سکوت ایمان کی نشانی ہے لیکن یہی بحث اور مخالفت مذاہب کے باب میں ہو تو اسکو جنگ سے تعبیر کیا جائیگا۔ اور یہ چیز بھی ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔

ہاں! خیر خواہی اور نصیحت کے خیال سے تنہائی میں حق بات کی وضاحت کی جاسکتی ہے جب کہ قبول کرنے کی امید ہو۔ جب یہ امید نہ ہو تو خاموشی اختیار کر لینا چاہیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی اُمت اس وقت تک گمراہی و ضلالت میں مبتلا نہیں ہوئی جب تک کہ اسکے اوپر جنگ و جدال کا غلبہ نہیں ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے فرزند کو نصیحت کی کہ علماء کے ساتھ جنگ و جدال نہ کرو ورنہ وہ تمہیں دشمن سمجھیں گے اور کسی باطل و محال چیز پر صبر کرتے ہوئے خاموش رہ جانا کہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو تو اس سے بڑھکر قوت والی چیز کوئی نہیں ہے اور یہ صبر و ضبط اور سکوت و خاموشی مجاہدہ کے باب میں بڑی عظمت و فضیلت والی چیز ہے۔

حضرت داؤد طائی نے گوشہ نشینی اختیار کی تو امام اعظم ابو حنیفۃ النعمان نے ان سے کہا کیوں باہر نہیں آتے؟ عرض کیا مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ اپنے نفس کو بحث و تکرار اور جنگ و جدال سے بچا رہا ہوں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا مناظرہ کی مجلسوں میں شرکت کرو۔ اور سنو۔ لیکن کچھ نہ کہو۔

حضرت داؤد طائی کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اس سے زیادہ سخت مجاہدہ کوئی اور نہیں ہے۔ کسی شہر والوں پر اس سے بڑھکر کوئی مصیبت اور آفت نہیں کہ شہر کے اندر مذہبی عناد اور تعصب پھیل جائے اور ایک گروہ، جاہ و منصب اور اقتدار کی طلب میں منہمک اور کوشاں رہتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ جدال دین ہے حالانکہ ان کی درندہ صفت طبیعتیں یہ سوچنے لگتی ہیں کہ مذاہب میں جدال دین ہے تو ان کے

اندر اس درجہ حرص و طمع مستحکم اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ جدال و خصومت کے بغیر رہ نہیں سکتیں۔ کیونکہ جنگ و جدال اور خصومت و دشمنی میں نفس کے لئے ہر طرح کی لذت و راحت اور تسکین ملتی ہے۔

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ جدال دین میں سے نہیں ہے اور تمام سلف صالحین نے جنگ و جدال اور خصومت سے منع کیا ہے۔ ہاں! اگر کوئی بدعتی شخص ہے تو انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی ہے لیکن جیسے ہی یہ محسوس کیا کہ ان کی گفتگو اور افہام و تفہیم بے سود ہے تو انہوں نے اعراض اور کنارہ کشی اختیار کی اور سکوت کو ترجیح دی۔

غرض ہر فرقہ کے کوتاہ نظر آدمی واجبی اور متفق علیہ نہیں بلکہ غیر واجبی اور اختلافی کفریات یعنی اہلِ قبلہ کو کافر کہنے میں پیش پیش ہیں اور اعتقادی نہیں بلکہ عملی بدعات میں اہلِ سنت و جماعت کو بدعتی کہنے میں آگے آگے ہیں اور ہر فرقہ کے طماعین آدمی۔ جدال و خصومت میں تعصب اور عناد سے کام لے رہے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک

اس موضوع کی تفصیل پانچویں اور چودھویں مقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

فائدہ ۱۹

سجدۂ تحیّت کا حکم

سجدۂ تحیت جمہور علماء کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔ اور بعض کے نزدیک جائز ہے اور اسکی کسی قدر تفصیل بیسویں فائدہ میں بھی آرہی ہے۔

صاحب "شمائل الاتقیاء" نے فتاویٰ تنبیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدۂ عبادت اور سجدۂ تحیت۔ سجدۂ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور سجدۂ تحیت اللہ تعالیٰ کے سوا ان پانچ افراد کے لئے تعظیم و تکریم کے طور پر جائز ہے۔ امت نبی کے لئے۔ مرید مرشد کے لئے رعایا بادشاہ کے لئے۔ اولاد والدین کے لئے۔ غلام آقا کے لئے سجدۂ تحیت کر سکتے ہیں۔

شیخ المحدث شاہ عبد الحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ کے باب "سجدۃ الشکر" میں لکھتے ہیں کہ سجدہ کی ایک دوسری قسم بھی ہے جسکو سجدۂ تحیت کہتے ہیں اور اسکی اجازت بعض فقہی روایات میں موجود ہے۔

مدارج النبوۃ کی پہلی جلد میں اور شرح سفر السعادۃ" میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ سجدہ کی ایک دوسری قسم بھی ہے جسکو سجدۂ تحیت کہتے ہیں اور بعض فقہی روایات میں اسکی اجازت آئی ہوئی ہے لیکن مختار موقف یہ ہے کہ سجدۂ تحیت مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی دوسری جلد کے ۹۲ ویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ۔

ہر چند کے بعض فقہائے کرام نے سجدۂ تحیت کو سلاطین کے لئے جائز قرار دیا ہے لیکن اس معاملہ میں سلاطین کے لائق حال یہی بات ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی کے حضور میں تواضع کا اظہار کریں اور سجدۂ تحیت کی اس انتہائی تذلل اور حد درجہ انکساری کو غیر اللہ کے حق میں روا نہ رکھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عالم کو سلاطین کا مسخر کیا ہے اور ان کا محتاج بنادیا ہے۔ اس لئے اس نعمت عظمی کا شکر بجا لاکر جبہ سائی جو کہ انتہائی عجز اور کمال انکسار و تواضع کا اظہار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مسلم رکھیں اور اس معاملہ میں شرکت کی کوشش نہ کریں۔

سند العلماء شاہ عبد العزیز محدث
دہلوی نے ایک سائل کے جواب میں اس مسئلہ پر
روشنی ڈالی ہے وہ سوال و جواب من وعن درج
ذیل ہے۔

سوال:۔ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ
شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کے ملفوظات میں
چند مقامات پر مذکور ہے کہ ان کے پاس آنے والے
حضرات زمین پر سر ٹیکتے تھے۔ کسی صاحب نے آپ
سے اس فعل کو ممنوع قرار دینے کی درخواست
کی تو فرمایا میں بھی چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس چیز
سے منع کروں لیکن اس وجہ سے نہیں روکتا ہوں
کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فرید الدین
عطار کے پاس آنے والے حضرات بھی ایسا ہی کیا
کرتے تھے۔

اور ایک دوسرے صاحب کے سامنے
اس امر سے متعلق سلطان المشائخ نے یہ وضاحت
فرمائی کہ جب ایک فرض چیز کی فرضیت منسوخ
ہو جاتی ہے تو اسکی سنیت باقی رہ جاتی ہے جیسے
ایام بیض اور یوم عاشوراء کے روزے۔ اور
حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لیئے
حکم دیا گیا تھا۔ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن
اباحت باقی ہے۔

مقدس و برگذیدہ حضرات کرام جو
ظاہر و باطن کے امام ہیں۔ انکا سجدہ کو جائز قرار
دینا محل حیرت ہے اور آپ کے اس سوال کی جو
حقیقت ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ کس قدر بے وزن
ہے۔

جواب:۔ منتخب فتح العزیز میں غیر اللہ کے لئے
سجدہ کی تحقیق حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ
میں بوجہ احسن پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب کو شیخ
عبداللہ جدید الاسلام فارسی میں لکھ رہے ہیں
اسکے کچھ حصہ کو نقل کر کے خدمتِ گرامی میں بھیجا
گیا ہے۔ اس کتاب کا نسخہ اگر اس وقت موجود ہوتا
تو اس سے چند سطور نقل کر کے آپ کی خدمت
میں بھیج دیتا۔

اب ہم اس مسئلہ کی طرف رجوع کرتے
ہیں کہ یہ بزرگانِ کرام سجدۂ تحیت کو کیوں جائز قرار
دیتے ہیں۔ بہت غور و فکر اور تنقیح و تفتیش کے بعد
ان بزرگانِ کرام کے سجدۂ تحیت کو جائز ٹھہرانے کی
توجیہہ میرے نزدیک یہ قرار پائی کہ یہ حضرات
کرام سجدہ کی دو قسم سمجھتے تھے۔ سجدۂ عبادت اور
سجدۂ تحیت۔ سجدۂ عبادت کو یہ حضرات کرام
بھی کفر ہی سمجھتے تھے اور سجدۂ تحیت کو جائز خیال
کرتے تھے۔

سجدۂ عبادت اور سجدۂ تحیت کے درمیان
تغایر تعظیم باطنی اور تغایر نیت کے وصف کے

ساتھ دونوں میں ظاہری اعتبار سے فرق یہ ہے کہ ملاقات اور حاضری کے وقت تعظیم و تکریم کے طور پر تحیت مسنونہ سے آگے بڑھکر سجدہ کریں تو وہ سجدۂ تحیت ہے اور اگر تعظیم و تقرب کے قصد و ارادے سے ہو تو یہ سجدۂ عبادت ہے۔ اگرچہ کہ مسجود لہ غائب ہو اور مطاوبہ نفسانی کیفیات سے حصول کا قصد ہو جیساکہ بتوں کی جانب کفار کا سجدہ ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی جانب فرشتوں کا جو سجدہ تھا وہ تحیت کی قسم تھا چنانچہ اکثر مفسرین کرام کی رائے یہی ہے اور بعض مفسرین کی یہ وضاحت رہی ہے کہ سجدہ تو خدائے تعالیٰ ہی کے لئے تھا اور حضرت آدم علیہ السلام (مسجود علیہ) تھے۔

بہرحال جب ملائکہ پر حضرت آدم کے تعلیم الاسماء کا حق ثابت ہو گیا تو ملائکہ حضرت آدم کو سجدۂ تحیت ادا کرنے پر مامور ہوئے تو دوسرے متعلم اور مرید از روئے قیاس جلی بطریق اولیٰ اپنے معلم و مرشد کو سجدۂ تحیت ادا کرنے پر مامور ہوئے۔ شریعت محمدیؐ میں جب سجدہ کی فرضیت منسوخ ہو گئی تو یہ فرضیت مندوب اور مستحسن کی صورت میں بدل گئی لیکن اس استدلال کے مقدمات میں جس نوع کا شبہ وارد ہوتا ہے آپ پر ظاہر ہے جیساکہ آپ نے خود تحریر فرمایا ہے۔

اس استدلال سے قوی تر دوسرا شبہ جسکو عبدالکریم بہرہ گجراتی نے اپنی ایک عظیم تفسیر میں جو موافق تصوف تصنیف کی ہے سورۂ یوسف کی تفسیر میں لکھتے ہیں جسکا خلاصہ درج ہے۔

قاعدہ کے موافق اگلی شریعتوں کے احکام اس وقت تک ہمارے لئے حجت ہیں جب تک کہ ہماری شریعت کے اندر ان کو منسوخ کرنے والا کوئی حکم نہ پایا جائے نص قرآنی خروا لہ سجدا کی رو سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں سجدۂ تحیت جائز تھا لہٰذا ہماری شریعت میں بھی وہ جائز ہوگا۔ اور اس جواز کو منسوخ کرنے کے لئے ہماری شریعت میں خبر واحد کے سوا کوئی اور حدیث موجود نہیں ہے۔ لو کنت آمراً لاحد لامرت ان تسجد لزوجھا۔ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے لیکن کسی فرد بشر کے لئے زیبا نہیں کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے اور نص قرآنی کو منسوخ کرنے کے لئے خبر متواتر ہونا چاہیئے نہ کہ خبر واحد۔ اور اسکے ساتھ خبر واحد اس بات کی متحمل ہے کہ سجدہ عبادت کا سجدۂ تحیت کے ساتھ مشتبہ ہونے کے سد تقاً وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ لوگ کفر سے قریب العہد اور غیر اللہ کی عبادت کے عادی اور خوگر تھے۔ اس لئے اس وقت سجدہ کو

مطلقاً منع کیا گیا جیسا کہ حنتم اور مزفت کو منع کیا گیا (کوزہ اور پیالہ جو شراب ڈالنے اور پینے کے لئے مخصوص تھے)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ نسخ اجماع قطعی سے سراسر غفلت کا نتیجہ ہے جو سجدہ تحیت حرام ہونے پر منعقد ہو چکا ہے۔ اور اجماع بر تحریم سجدہ، ناسخ اور منسوخ کی بحث سے مستغنی رہا ہے۔

یہاں یہ بات جان لینی چاہئے کہ قیاس تین شرعی دلائل (کتاب اللہ، سنت رسول، اور اجماع) میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی متصادم اور معارض ہو جائے تو وہ غیر معتبر ہے۔ یعنی قیاس اگر اجماع قطعی سے متصادم ہو جائے تو وہ غیر معتبر ہے۔

مولینا بحر العلوم لکھنوی ثم المدراسی "شرح المسلم" میں فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ شریعت کے اصول تین ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور چوتھی اصل قیاس ہے اور وہ اس طرح ہو کہ ان تینوں اصول سے مستنبط ہے۔ پھر قیاس مظنون الافادہ ہے یعنی اسکی افادیت کے بارے میں گمان ہے اور جمہور علماء کے نزدیک قیاس سے یقین حاصل نہیں ہوتا اور اس سے عقائد کا اثبات نہیں ہو سکتا۔

نیز قیاس تینوں شرعی دلائل میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی متصادم اور متعارض ہو جائے تو وہ غیر معتبر ہے۔ اور قیاس کا حجت ہونا ہنگامی ہے جب کہ کسی پیش آنے والے واقعہ کے اندر عمل کے لئے تینوں شرعی اصول میں سے کوئی دلیل موجود نہ رہے اگر چہ کہ وہ بھی شارع علیہ السلام کی جانب سے قائم شدہ ہے۔

اسی لئے شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی نے قیاس کو ساقط کر کے اس طرح لکھا ہے کہ شریعت کے اصول کتاب، سنت اور اجماع ہیں اور قیاس اسی وقت معتبر ہے جبکہ ان تینوں اصول کے اندر حکم موجود نہ ہو۔ اور قیاس سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ قطب الاقطاب شیخ فرید الدین اور شیخ المشائخ محبوب الٰہی سے سجدۂ تحیت کے جائز ہونے میں جو روایات منقول ہیں وہ اس بات کا احتمال رکھتی ہیں کہ وہ مذہب اباحت پر مبنی ہوں۔ اور یہ بزرگانِ کرام مجتہد ہیں یا مقلد۔ اور ان دونوں حالتوں میں بھی ان بزرگوں پر طعن کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی کر جائے تو اسکے لئے ایک اجر ہے اور وہ معذور ہے۔ اور غلطی کرنے والے مجتہد کی تقلید کرنے والا بھی نجات پانے والا ہے جیسا کہ عقائد اور اصول کی

کتابوں میں تفصیل موجود ہے۔

امام ربانی مکتوبات کی تیسری جلد کے ۲۲ ویں مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

مجتہد پر اعتراض کی کیا بات ہے اسکی خطاء ولغزش بھی ایک ثواب کی حامل ہے اور اسکی تقلید اگرچہ کہ خطاء ہی میں ہو نجات کا باعث ہے۔

اب یہاں یہ بات غور اور توجہ کے قابل ہے کہ علمائے اعلام کے قول کے مطابق یہ بات روشن ہوچکی کہ سجدۂ تحیت، اجماع قطعی کے خلاف ہے اور مومن کو ہرگز اجماع کے خلاف عمل نہیں کرنا چاہئے اور جہاں تک ہوسکے لوگوں کو اجماع کی مخالفت کرنے سے روکنا چاہئے اور اس اجتہادی خطاء میں مجتہد بھی اولیاء پر طعن و تشنیع کرنے کی بلا سے پرحذر ہوگا۔

اہل سنت وجماعت کے اس اختلافی مسئلہ میں اباحت کا غیر معتبر قول کرنے سے اس فقیر (صاحب کتاب حضرت قطب ویلور) کا مقصود صرف غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے تاکہ وہ اولیائے ذی شان پر طعن و تشنیع اور بزرگانِ کرام کی تضلیل کرنے اور ان کی تخلیت کرنے سے محفوظ رہ سکیں۔ اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے کہ یہ مسئلہ مختلفیہ ہے اور اختلافی مسائل کے اندر ایک دوسرے پر عیب نہیں لگانا چاہئے اور ہر ایک کو اسکے موقف پر چھوڑدینا چاہئے۔ ربکم اعلم بمن هوا هدى سبيلا (تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ ھدایت کے راستہ پر ہے) اسکی تفصیل پانچویں مقدمہ میں گذرچکی ہے۔

اس نقل سے یہ خیال نہ کریں کہ یہ فقیر ضعیف اور غیر معتبر قول پر عمل کرنے کی دعوت اور ترغیب دے رہا ہے اور اسکا مسلک قول ضعیف پر مبنی ہے حاشا وکلا ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ حضرات اکابر چشت طعن کرنے والے افراد کے مشائخ ہیں۔ اپنے ہی بزرگوں کی تضلیل کے باوجود اسی طریقے کی دعوت دینے سے اور اس طریقہ میں بیعت سے دست کش نہیں ہوتے ہیں۔

فصل الخطاب کی دسویں قسط اگلے شمارہ میں ملاحظہ کیجئے۔

مترجم: ابو النعمان۔

فتویٰ اہم

ادارہ

ذیل کا فتویٰ مجدد و مجذوب حضرت قطب ویلور قدس سرہ نے اپنے خلیفۂ خاص حضرت مولینا مولوی مرزا شاہ عبد الحی قادری واعظ بنگلوری علیہ الرحمہ کے استفسار پر تحریر فرمایا تھا جس میں مفتیٔ موصوف نے حضرات مجتہدین کی تقلید کے واجب ہونے یا مشروع (وہ فعل جو موافق شرع شریف ہو) ہونے پر مدلل بحث کی ہے۔ یہ مختصر فتویٰ فارسی میں ہے۔ اس کا متن ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔ مترجم ابو النعمان بشیر الحق عفی عنہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ

پرسیدہ بودند کہ اتباع صحابہ و مجتہدان لازم و واجب است یا مشروع۔ و سندش چیست؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ آپ نے سوال کیا تھا کہ حضرات صحابہ و مجتہدین کی تقلید و اتباع، لازم و واجب ہے یا مشروع اسکے لئے سند کیا ہے؟

محبت اطوار تصحیح عقیدہ را موافق کتب کلامیۂ اہل سنت وجماعت علم عقائد خوانند۔ وتصحیح عمل را از فرض و واجب و سنت و مندوب وحلال وحرام ومکروہ ومشتبہ مطابق کتب فقہیہ ایشان علم فقہ نامند کہ این ہر دو بنا بر طیران عالم قدس بمنزلہ جناح اند۔

واز اقسام ثمانیۂ مذکورہ خمسۂ اولی را مشروع گویند وثلثہ باقیہ را غیر مشروع بود تردید در سوال چیست؟

ذکر صحابہ کہ قرن اول بود چہ باشد سلف بحدیث شریف خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اقوال تابعین را کہ بمشاہدۂ صحابہ مشرف اندسند

محبت اطوار

اہل سنت وجماعت کے کتب کلامیۂ کے موافق عقیدہ کی تصحیح کو علم عقائد کہتے ہیں۔

اور انکی فقہی کتابوں کے مطابق عمل، فرض واجب، سنت، مندوب، حلال، حرام، مکروہ اور مشتبہ سے عمل کی تصحیح کو علم فقہ کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں (علم عقائد اور علم فقہ) عالم قدس کی جانب پرواز کرنے میں جناح اور بازو کی طرح ہیں۔

مذکورۃ الصدر آٹھ اقسام میں سے پہلی پانچ قسموں کو مشروع کہتے ہیں۔ اور بقیہ تین قسموں کو غیر مشروع کہتے ہیں۔ لازم اور واجب مشروع کے اندر داخل ہوتے ہیں اور پھر سوال میں تردد کی کیا بات ہے؟

حضرات صحابہ جنکا تعلق قرن اول سے ہے ان کی اتباع لازم اور واجب ہونے میں

گیرند۔ وامام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمتہ اللہ علیہ کہ از سند گیران تابعین اند۔

وکریمۂ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون وآیۃ فاعتبروا یا اولی الابصار سند اجتہاد است

تفصیل این امور از کتب اصول باید جست وقت بہ تفصیل آن مساعد نمی کند۔ ورسالۂ فقیر احیاء السنہ اگر نزد شما باشد ملاحظہ نمائید مبیّن چیزے از مسئولات است زیادہ۔ اللہ معکم اینما کنتم۔

اور ان کی تقلید و پیروی شریعت مطہرہ کے موافق ہونے میں کسی شک و شبہ اور سوال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

علمائے سلف نے اس حدیث خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (بہترین عہد میرا عہد ہے پھر اس کے بعد کی صدی پھر اسکے بعد کی صدی خیر اور بھلائی سے ہمکنار رہیگی) کی وجہ سے تابعین جو صحابہ کرام کے دیدار اور مشاہدہ سے مشرف ہیں کے اقوال کو بھی سند اور حجت تسلیم کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ النعمان کوفی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات اقدس تو حضرات تابعین سے سند پانے والوں میں سے ہے۔

اور فاسئلوا اہل الذکران کنتم لا تعلمون تمہیں کوئی شرعی حکم معلوم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔

اور فاعتبروا یا اولی الابصار (اے

آنکھ والو! عبرت پکڑو) کی آیاتِ کریمہ اجتہاد اور استنباط کے لئے سند اور حجت ہیں یہاں ان امور کی تفصیل اصول کی کتابوں میں تلاش کرلیں۔ ان کی تفصیل و تشریح کے لئے وقت ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ اگر آپ کے نزدیک فقیر کی کتاب احیاء السنہ موجود نہ ہو تو اسکا مطالعہ کریں جس میں آپ کے سوالات کے جوابات سے متعلق کسی قدر وضاحت موجود ہے۔

اللہ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوباتِ حضرت قطبِ ویلور

قدس سرہ العزیز

مجددِ جنوب حضرت علامہ سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور نے فارسی زبان میں اپنے مریدین و معتقدین اور متوسلین کے نام کثیر تعداد میں مکتوبات ارسال فرمایا تھا جن میں مختلف علمی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند خطوط کا مفہوم خیز ترجمہ و خلاصہ قارئینِ اللطیف کی خدمت میں حاضر ہے۔

مترجم ابوالنعمان غفرلہٗ

ترجمہ و تلخیص

مولوی حافظ بشیر الحق قریشی قادری ادہونی۔ استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور

مکتوب بنام نواب غلام محی الدین خان ابنِ نواب قمر الدین خان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

حمد و صلوٰۃ اور سلامِ مسنون کے بعد واضح خاطرِ شریف ہوئے کہ۔ ابتدائے خلقت سے لے کر انتہا تک، گناہوں کی گندگی و آلائش سے پاک و صاف رہنا فرشتوں کا کام ہے اور گناہوں سے ناپاک و آلودہ رہنا شیاطین کا کام ہے۔ اور ناپاک و پلید ہونا، اور پاک و صاف ہونا، اور گناہ کرنا، اور توبہ کرنا انسانوں کا کام ہے۔ بندہ محض گناہ کرنے سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ چنانچہ علمائے کرام کا اجماع ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کرے اور توبہ کرلے تو وہ عند اللہ ماخوذ نہیں ہوگا۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ گناہوں سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہے جس نے گناہ ہی کیا نہیں

آدمی کی ترکیب شہوات اور ہوا و ہوس سے ہوئی ہے اور اسکے پیچھے نفس اور شیطان کو لگا دیا گیا ہے لہٰذا کسی آدمی سے گناہ کا صدور ہو جائے تو تعجب کیا ہے۔ البتہ وہ گناہوں سے باز آجائے اور توبہ کرلے تو یہ تعجب ہے۔ انسانوں میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس سے گناہ کا صدور نہ ہو لیکن گناہ گاروں میں سب سے اچھا اور بہتر وہی ہے جو خطاء و عصیان کے بعد پشیمان ہو جائے اور رجوع الی اللہ کا مظاہرہ کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام دار السلام (جنت) میں رہتے ہوئے عصمت اور خلافت کے باوجود ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ۔ (اس درخت کے قریب بھی نہ جاؤ) کی ایک نہی سے خداوندِ حقیقی کے ساتھ لغزش کر بیٹھے تو یہ غلام علی بیگ بلاؤں، مصیبتوں، آفتوں، اوامر و نواہی سے بھرپور دنیا میں رہتے ہوئے نفس اور شیطان کی قربت و ہمراہی میں خداوندِ مجازی کے ساتھ اگر کوئی لغزش کر بیٹھے تو تعجب کیا ہے اور اسکی کیا حیثیت ہے۔ ان ھٰذا لشئ عجاب (یہ تو انتہائی درجہ تعجب خیز بات ہے)

جب خداوندِ حقیقی، بندۂ حقیقی کے عذر کو قبول فرما لیتا ہے تو خداوندِ مجازی، بندۂ مجازی کے عذر کو قبول کرلے تو یہ چنداں تعجب کی بات

نہیں۔ والقبول عنہ کمد بل کل من عند اللہ (قبول کرنے کا اختیار تو تمہارے پاس ہے مگر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے)

اللہ تعالیٰ توفیق و ھدایت عطا فرمائے کہ ہم لوگ ناپائیدار لذتوں، چکنی چپڑی اور شیریں غذاؤں، رنگین و منقش لباسوں، تعلقات گوناگوں، جاہ و عزت کی طلب اور شان و شوکت کی خواہش و امنگ سے قریب نہ کھائیں جو آخرکار زوال و فنا سے دو چار ہونے والی چیزیں ہیں اور قبر و آخرت میں ساتھ دینے والی نہیں ہیں اور ہم اپنے دلوں اور دماغوں کو اللہ کی محبت اور سکینت و جمعیت کی خوشبو سے معطر کریں۔

خدا کی نصرت تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام محی الدین خان مہکری قاضی بیسور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

سلام و تحیت کے بعد واضح خاطر شریف ہو کہ اس مسکین مشتاق کے نام آپ کے تحریر کردہ مکتوبات پے در پے موصول ہوئے اور عام کی خیریت و کیفیت کی اطلاع و آگہی بے پایاں فرحت کا باعث ہی الحمد للّٰہ علی ذالک مکتوبات سابق و لاحق کے ذریعہ اطلاع ملی کہ جبور کی قضاوت کا عہدہ آپ کو تفویض کیا گیا ہے اور مخدومی سید محی الدین صاحب قادری ۲۲ شوال کو اپنے نواسہ ابو الحق کے ساتھ وارد مکان ہوئے اور ان کی زبانی بھی وہاں کے تمام لوگوں کی خیریت و کیفیت اور مقدمات شرعیہ کی تنفیذ کی خبریں ماتم زدہ مسلمانوں کے گوش گذار ہو کر فرحت بخش اور بالفرا ثابت ہوئیں۔ بارک اللّٰہ فیکم و فی کل شانکم۔

وہاں کے مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے کہ ریاست کفار میں بستے ہوئے قاضی اسلام کی حمایت کے زیر سایہ خوش حال زندگی گذار رہے ہیں

ھنیئًا لارباب النعیم نعیمھا ⁏ وللعاشق المسکین ما یتجرع۔

ارباب نعمت کو نعمتیں مبارک، عاشق مسکین کے لئے وہی گھونٹ ہیں جو وہ پی لیتا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کے بارے میں منقول ہے کہ شریعت مطہرہ کی ترویج و تنفیذ اور مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے خاطر امراء و سلاطین کی صحبت اختیار کرتے تھے اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ اور تصرف کی بدولت سلاطین کو مطیع و منقاد بناتے ہوئے احکام شریعت کی تنفیذ کیا کرتے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جس میں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ آج ایسا دور ہے کہ اسلام انتہائی ضعف و شکستگی سے ہمکنار ہے اور یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں تھوڑا سا عمل بھی اللّٰہ تعالیٰ کے نزدیک پورے اعتماد کے ساتھ قبولیت کا درجہ پاتے ہوئے اجر جزیل کا مستحق اور سزاوار ہوگا۔ ہمارے زمانے میں بھی اگر کوئی عالم

سعادت و اقبال، خلوص نیت کے ساتھ امراء کی صحبت اختیار کرے تو یہ اقدام احکام شرعیہ کی تنفیذ اور کامیاب عدالت کے قیام کا سبب بن سکتا ہے۔ اور یہ ایسی سعادت ہے کہ اس سے بالاتر سعادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ عدل ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ۔ ایک لمحہ انصاف و عدالت میں گذار دینا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل و بہتر ہے۔

اور یہ اقدام پورے دل سے خلوص نیت کے ساتھ کرنا چاہئے تاکہ اغنیاء و امراء اور دنیاوی جاہ و حکومت کا قرب اور لوگوں کا پاس و لحاظ اور ملامت گروں کی ملامت کا خوف و اندیشہ پیش نظر نہ رہے۔ اگر خلوص میسر نہ ہو تو بھی محنت و تکلف کے ذریعہ پیدا کرنے کی سعی کریں اور گواہوں کی صفائی اور تزکیہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اور تزکیہ و صفائی کے باب میں جو صورت بھی ممکن نظر آئے اسکو اختیار کریں۔ اور بیانات ہذہ کی روشنی میں پیش آنے والے واقعہ کی اچھی طرح کھوج کریں اور اسکے بعد اپنا فیصلہ صادر فرمائیں۔ اور جب فریقین کے بیانات سے بھی فیصلہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو اور گواہوں کی صفائی اور تزکیہ نہ ہو تو فیصلہ موقوف رکھیں اور ابو لیلی کے حکم کے مطابق گواہوں سے حلف لیں کیونکہ زمانے کا یہی اقتضاء ہے۔ اور جن جھگڑوں میں حق و باطل کی تمیز مشکل ہو تو جہاں تک ہو سکے فریقین کی رضامندی سے یا پنچایت کے ذریعہ فیصلہ صادر کریں۔ اور جیسے ہی حق اور ثبوت کی تحقیق ہو جائے، فیصلہ سنانے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کریں۔ فیصلہ سنانے میں تاخیر کرنے پر جو شدید وعید آئی ہوئی ہے اسکو سننے ہی سے مومن کا دل پانی پانی ہو جاتا ہے۔

آپ نے عقد و تزویج سے متعلق دریافت کیا تھا۔ اللہ تعالی آپ کو سلامت و عافیت کے ساتھ رکھے جو ہم فقراء کے حالات دریافت کرتے رہتے ہیں اور موجودگی اور غیر موجودگی میں خلوص و محبت اور عقیدت و احترام کا اظہار یکساں رہتا ہے جزی اللہ عنا خیرا لجزاء۔

اس استفسار کا جواب بالمشافہ درست رہیگا اور آپ کی تشریف آوری کا وعدہ بھی لسانِ قلم سے ظاہر ہو چکا ہے لہٰذا اسکا جواب ملاقات ہی پر موقوف رکھا گیا۔ آپ نے میسور اور بیطوری کے شہروں اور علاقوں میں فتنہ و فساد بھڑک اٹھنے کی خبر دی تھی۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ دنیا رنج و غم اور تکلیف و مصیبت کا گھر ہے اور ہر جگہ یہی حالت رہیگی۔ دنیا میں سکون و طمانیت

اور راحت محض خواب و خیال ہے۔

بہر دیارے کہ رفتیم آسمان پیدا ست

ہم دنیا کے جس خطہ میں بھی گئے وہاں آسمان نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بے سود دنیا کی گرفتاریوں میں الجھنے سے بچائے رکھے جسکو باد فنا اڑا لے جائیگی اور آخرت میں کار آمد نہ ہوگی۔ اور ہمیشہ رہنے والی محبت و جمعیت کی بو باس ہمارے دل و دماغ میں پہنچائے۔ اس مسکین کو اپنوں سے علحدہ نہ تصور کریں المرء مع من احبہ۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ اسے محبت ہوگی۔

ایام عدالت دراز باد۔

مکتوب بنام

جعفر محی الدین خان ابن باقر علی خان ابن بدر الزمان خان بہادر رئیس سود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

حمد و صلوٰۃ، سلام مسنون اور دعاؤں کے بعد عالمِ سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ آپ کے متعدد مکتوبات جو بے پایاں لطف و کرم اور محبتِ دل کی نشانہ ہی کر رہے ہیں۔ نظر نواز ہوئے اور ذہن قلب کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنے۔ الحمد للہ علی ذلک

اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہر و باطن کو تسلی و تشفی اور جمعیت سے آراستہ و مزین فرمائے اور اپنے قرب کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ حاجی سید محی الدین صاحب قادری کوائف اور لواحق کے ساتھ وارد مکان ہوئے جنکی زبانی بھی آپ کی خیریت و کیفیت معلوم ہوئی۔ جزاکم اللہ خیرا الجزاء۔

والد ماجد اور شیخ طریق قدس اللہ سرہ کی درگاہ شریف میں چراغ افروزی سے متعلق آپ کی خواہش معلوم ہوئی۔ مزارات کے پاس چراغ روشن کرنے کا عمل شریعت مطہرہ کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ آخرت میں خسران کا باعث ہے۔ لہٰذا ایک قلم موقوف کیا گیا۔ نزدیک اور دور دسر قطعہ ہیں یہ کام تو آخرت اندیش عقل سے دور ہے۔ اصحاب قبور چراغ کے محتاج نہیں ہیں اور یہ چراغ افروزی نصاریٰ کا عمل ہے۔

آنجناب کی تشریف آوری کی خبر لوک دیر تک قلم رہی جو دل مہجور کے لیے فرحت بخشی اور روح افزا ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو حقیقت بنائے۔ آں سعادت کی والدہ ماجدہ کی تشریف آوری کی خبر بھی اس مشتاق کے گوش گذار ہوئی۔ جس سے مسرت ہوئی۔ یہ مسکین سلام مشتاقانہ پیش کر رہا ہے۔

سنا گیا ہے کہ آپ نماز اور جماعت کی پابندی کا چنداں اہتمام نہیں کر رہے ہیں۔ اس اطلاع سے دل بے چین اور مضطرب ہو گیا۔ عنفوان شباب میں آرام و آسائش کے اسباب کا حصول اور کثرت فراغت بڑی بڑی بلا اور مصیبت ہے۔ ایسے اشخاص کم ہی ہوں گے جو عالم شباب میں ہر طرح کے اسباب آسائش

اور حصول فراغت کے ساتھ راہ حق پر گامزن رہتے ہوئے سعادت سے ہم کنار رہیں۔

مجھے خوف ہے کہ بدکار اشخاص کی صحبتیں آپ کی صالح طبیعت اور نیک طینت کو خراب نہ کردیں جنکا مطمح نظر صرف چکنی چپٹی اور شیریں غذائیں رنگین ومنقش لباس، جاہ ومنصب کی خواہش، امراء واغنیاء کا قرب اور دنیا بھر کے معاملات وغیرہ ہے۔

جب دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزاء ہے تو اعمال صالحہ کے ادا کرنے میں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ عبادات میں فاضل ترین عبادت اور اعمال میں فاضل ترین عمل نماز قائم کرنا ہے جو اہل ایمان کی معراج اور دین متین کا ستون ہے لہٰذا اسکی ادائیگی میں حد درجہ احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ نماز کے جو ارکان وشرائط اور سنن وآداب ہیں پوری طرح ادا ہو سکیں نیز ارکان کی صحیح ادائیگی اور خشوع وخضوع کو بھی پوری حفاظت کے ساتھ عمل میں لانا چاہیئے نماز پر سلام ربانی ہے جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو لازم کرلینا چاہیئے کیونکہ صف بستہ سلام پیش کرنا کیا حاکم مجازی اور کیا حاکم حقیقی دونوں کے نزدیک مقبول وپسندیدہ عمل ہے۔

افسوس اور صد افسوس ہمارے زمانے میں اکثر مسلمان نماز اور جماعت کو ضائع کر چکے ہیں اور خشوع وخضوع اور طمانیت وسکینت اور تعدیل ارکان کو درہم برہم کر دیئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں جو وعیدیں اور تہدیدات وتنبیہات آئی ہوئی ہیں اگر کوئی مسلمان چشم عبرت سے ان کا مشاہدہ کرلے تو اسکا قلب وجگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اللہ یجتبی الیہ من یشآء ویہدی الیہ من ینیب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اپنی جانب رجوع فرمالے۔ آپ کے بزرگوں کے تعلقات واحسانات کی یاد نے اس گفتگو کی جانب متوجہ کر دیا اور مجھے خاموش رہنے نہیں دیا۔ والسلام

نوٹ:۔ بعض عوام نذر ونیاز اور منت کے پورے ہونے پر اولیاء اللہ کے مزارات کے پاس مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے برتنوں میں تیل یا گھی ڈال کر جلاتے ہیں۔ غالباً اس مکتوب میں چراغ افروزی سے یہی عمل مراد ہے۔ ورنہ لوگوں کی سہولت مثلاً آمد ورفت، ذکر وتلاوت، زیارت اور اقامت وسکونت وغیرہ کے خیال سے مزارات کے پاس روشنی کے خیال سے چراغ روشن کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب مترجم۔

مکتوب بنام

حمید الدین خان صاحب نیلوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام سنت خیر الوریٰ و دعا کے بعد قلب محبت ذخائر پر واضح ہو کہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ کا تحریر کردہ مکتوب ۶ رجب المرجب کو دستیاب ہوا۔ دینی احکام و مسائل کے استفسار پر مشتمل رہنے کی وجہ سے ذہن و قلب کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنا الحمد للہ علی ذلک۔

آج جس شخص کو بھی دیکھئے کہ وہ انگریزی حکام کے قوانین کو پیش نظر رکھا ہے اور حاکم حقیقی کے احکام کو پس و پشت ڈالا ہوا ہے بلکہ ان کی جانب التفات بھی نہیں کر رہا ہے۔ اہل زمانہ کی یہ غفلت، غور اور تامل کے قابل ہے۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ میرے گلستان ہی سے میری بہار کا اندازہ کر لو۔ آپ کا ایسے غفلت نشان زمانے میں حاکم حقیقی کا حکم دریافت کرنا بہت پسند آیا۔ بارک اللہ فیکم۔ دفع کل شنا نکم۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے امور و مقاصد اور احوال میں خیر و برکت عطا فرمائے۔

یہ مسکین کثرت اشغال اور یوم جمعہ کی آمد اور ایک روزہ بخار و کھانسی کے سبب تادم تحریر جواب دینے سے قاصر رہا۔ پرسوں کے دن سے فرصت میسر ہوئی تو سوال کا جواب اردو زبان میں صاف صاف تحریر کر کے روانہ کر رہا ہوں تاکہ حکم حقیقی کے احکام و قوانین کے متلاشی لوگوں کو کسی قسم کی زحمت نہ ہو سکے۔

محبت آثار!

مومن کے لئے لازم ہے کہ حق کے اثبات اور باطل کے ابطال میں پوری پوری احتیاط کرے تاکہ فریقین کی حقیقت اور واقعہ کی تحقیق میں کسی قسم کی سستی و کاہلی نہ ہو اور باطل کے اثبات اور حق کے ابطال میں کسی قسم کا عمل نہ ہو کیونکہ فکر و آخرت، اور جنت و دوزخ سامنے ہی ہے اور حساب و کتاب اور سزا و جزا قاضی حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے روبرو ہے۔ اور جیسا عمل کیا جائے ویسا ہی نتیجہ اور

بدلہ ملے گا۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جس نے بھی ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ دیکھ لے گا اور جس نے بھی ذرہ بھر برائی کی ہے وہ دیکھ لے گا۔

آپ نے مختلف امراض کے علاج سے متعلق دریافت کیا تھا۔ اس قسم کے امراض میں مریض کا طبیب کے سامنے رہنا ضروری ہے۔ اس حاضری اور موجودگی کے باوجود بھی انکا علاج بہت مشکل ہے آپ ہی اندازہ کیجیے کہ سات روزہ مسافت پر انکا علاج کس قدر مشکل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام

غلام علی صاحب شریف نیلا ٹگلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام سنت خیر الوریٰ کے بعد واضح خاطر شریف ہو کہ کتابوں کی طلب سے متعلق آپ کا التفات نامہ جو انتہائی لطف و کرم اور الفت و محبت کے ساتھ اس مسکین کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ نظر نواز ہوا۔ جس سے آئین متین کی تحقیق اور دین کی حرارت کی بو باس آرہی ہے۔ قلب کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنا۔ بارک اللہ فیکم وفی شانکم۔

مخدوم من!

ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اسلام کا محافظ اور دین کا مبلغ رہے۔ افسوس صد افسوس تو یہ ہے کہ آج اکثر مسلمان دین اور اسلام ہی سے بے خبر اور ناآشنا ہیں پھر بھلا وہ محافظ اسلام اور دین پرور کیا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ یہ تو دین و اسلام کے لئے نقصان کا باعث اور بدعات و محرمات کی اشاعت کا موجب بن رہے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں دین کی فکر اور غم ہی نہیں اگر کسی چیز کی فکر اور غم ہے تو وہ صرف چکنی چپڑی اور شیریں غذائیں، رنگین و منقش ملبوسات، بیوی، بچے، زر، زیور عزت، حرمت اور عادات و رسوم ہیں، ان ہی اعمال و افعال کی وجہ سے اللہ نے دست اعانت کو کھینچ لیا ہے اور ان پر ظالم قوتوں کو مسلط کر دیا ہے۔ اعمالکم عمالکم۔ عنقریب ایک ایسا دور بھی آجائیگا کہ لوگ مساجد میں نماز ادا کرتے نظر آئیں گے لیکن ان کے دلوں میں حقیقی اور کامل ایمان کی شمع فروزاں نہ رہیگی۔

ضعف اسلام و انحطاط دین کی ایسی فضا میں آپ کا دینی کتابوں کو طلب کرنا بڑا پسندیدہ معلوم ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔ آپ کی دریافت کردہ تفصیل سر دست موجود نہیں ہے انشاء اللہ اس موضوع پر کوئی مختصر کتاب ہی ارسال کرونگا۔

اللہ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام

غلام حسین، غلام جیلانی، محمد صدیق، محمد عبدالمقتدر و فرزندان منشی محمد مستعان علی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

بعد سلام مسنون کے واضح خاطر شریف ہو کہ ۲۹ ربیع الثانی کا تحریر کردہ التفات نامہ دستیاب ہوا۔

مخدومی محمد مستعان علی کے انتقال پر ملال کی اطلاع سن کر دل بے چین اور بے آرام ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون فقیر اس الم ناک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر سے راضی ہو چکا آپ لوگ بھی راضی ہو جائیں۔

مرحوم صاحب معرفت و برکت تھے۔ ایسی بابرکت ہستی کا دنیا سے اٹھ جانا اگرچہ کہ دوسروں کے حق میں رنج و الم اور تعزیت کا باعث ہے لیکن خود مرحوم کے حق میں بہشت و بشارت کا سبب ہے کیونکہ موت کی کئی اقسام ہیں۔ ایک عوام کی موت ہے جس میں بیدار شخص نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ دوسری خواص کی موت ہے جس میں سونے والا بیدار ہو جاتا ہے تیسری اخص الخواص کی موت ہے جس میں نیند اور بیداری دونوں یکساں ہوتے ہیں۔ فقیر کا گمان ہے کہ مرحوم کی موت، خواص کی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ فقیر کے اس گمان کو راست فرمائے گا اور مرحوم کو اپنی جوار رحمت و مغفرت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ انہ قریب مجیب۔

مرحوم نے اپنے پیچھے جو صالح اولاد چھوڑا ہے۔ یہ بھی ان کے برکات ہیں۔ یہ بات حدیث نبوی سے اخذ کردہ ہے کہ فقراء، اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے اور حضرت سلیمان علیہ السلام شرف نبوت سے بہرور ہونے کے باوجود حضرات انبیائے کرام کے بعد پانچ سو سال کے بعد جنت میں جائیں گے۔ اللھم احینی فقیرا و امتنی فقیرا و احشرنی فی زمرۃ الفقراء۔

علمائے سلف سے منقول ہے کہ جب کوئی بیمار اور مفلس آدمی اہل اللہ کی صحبت اختیار کر لیتا تو پھر وہ صحت اور دولت کا طالب نہیں رہتا۔

فراوان خزینہ فراواں غم است
کم اندوہ آنرا کہ دنیا کم است

دولت و ثروت کی جس قدر بہتات اور فراوانی ہوگی اسی قدر غم و تفکر کی زیادتی ہوگی اور اس شخص کے لئے رنج و غم بھی کم رہیگا جس کے پاس دنیا بھی کم ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز فاقہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھے رہتے تھے۔ کبھی ناقص چھوہارے اور خرما تو کبھی کیکر کے پتوں پر قناعت فرماتے تھے مہینوں گذر جاتے تھے کہ آپ کے گھر میں چولھا نہیں سلگتا تھا اور چراغ روشن نہیں ہوتا تھا۔

اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساری دنیائے اسلام کے خلیفہ ہونے کے باوجود مدینہ منورہ میں اینٹیں تیار کرتے اور فروخت کرتے تھے اور اسی آمدنی پر آپ اور آپ کے اہل و عیال کا گذر بسر ہوتا تھا۔

خیر التابعین حضرت اویس قرنی کی غذا کھجور کی گٹھلیاں ہوتی تھیں اور آپ کا لباس پھٹا پرانا اور پیوند لگا ہوا رہتا تھا۔ اور حضرت ملا علی قاری مکہ مکرمہ میں جنگلات سے لکڑیاں لے آتے اور ان کو فروخت کرتے تھے اور اس پر انکا گذر بسر ہوتا تھا۔

نہایت کار افلاس ہے اور کار افلاس کی انتہا فاقہ کشی ہے اور جس رات میں فاقہ نصیب ہو وہ شب درویش کے حق میں شب معراج ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس نمازی کا شکم سیر رہے تو شیطان نمازی کو اپنے پہلو میں لے لیتا ہے اور بھوکے خمیدہ شخص کے قریب بھی نہیں جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام لوگوں کو توفیق و ہدایت عطا فرمائے۔

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا کی آیت کریمہ میں رزاق مطلق نے اپنے اوپر رزق کی جو ذمہ داری لی ہے ہم اسکو ہمیشہ پیش نظر رکھیں ماں کے پیٹ میں ناف کے ذریعہ اور فضائے دنیا میں پہنچتے ہی ماں کے سینہ میں دودھ کے ذریعہ بغیر کسی طلب کے پرورش فرمایا اور اسکے بعد کسب کا شعور اور اسکی قوت اور توفیق عطا فرمایا۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کریں اور مشاہدہ کریں کہ رزاق مطلق کس طرح اپنے ذمۂ رزق کو پورا فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ کے افعال کو تمام تر شیریں تصور کریں اور عسرت تنگی کی تلخی کو برعکس صفراوی لذیذ و شیریں خیال کریں اور خوشحالی و فراغت اور اسکی لذت و حلاوت کی آرزو میں آخرت کی دائمی و ابدی نعمتوں اور لذتوں سے محروم نہ ہو جائیں اور دنیا و مافیہا سے فریب نہ کھائیں جو خدا کی نظر میں ملعون نا پسندیدہ ہے دل میں بہت سی باتیں ہیں جنکی ترجمانی سے زبان قلم قاصر ہے۔ باقی باتیں بالمشافہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام

مولینا مولوی مرزا شاہ عبدالحی صاحب قادری واعظ بنگلوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

بعد سلام مسنون کے عاطر سعادت پر واضح ہو کہ التفات نامہ دیگر مکتوبات کے ہمراہ ۲۵ شعبان المعظم ۱۲۵۹ھ کو دستیاب ہوا۔ تمام کی خیریت کی اطلاع اور دینی شرعی مسائل کے استفسار پر مشتمل رہنے کی وجہ سے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنا۔ الحمد للہ علی ذالک

سعادت آثار!

العلماء ورثۃ الانبیاء (علمائے ربانی انبیائے کرام کے نائب اور وارث ہیں) والی حدیث اور معتمد علیہ قول اختلاف العلماء رحمۃ (علمائے حقانی کا اختلاف رحمت اور خیر ہے) سن چکے ہونگے یہی علمائے کرام اسلام کی عزت و ناموس کا ذریعہ ہیں۔ ایسے مسائل جو صدیوں سے پوشیدہ تھے ان کے واضح اور روشن ہونے کا سبب علمائے کرام کا یہی اختلاف ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ہاں! حق اختلاف میں ایک ہی جانب رہیگا حق کی تنقیح و توضیح میں حکم ایسا عالم ہونا چاہیے جو کتاب و سنت پر گہری نظر رکھتا ہو اور مذاہب اربعہ کے اصول اور فروع کا ماہر ہو۔ اور اسکے اندر خود غرضی وہٹ دھرمی اور نفسانیت کا شائبہ تک نہ ہو۔

افسوس اور صد افسوس تو یہ ہے کہ عوام زمانہ اور گروہ گروہ حکم اور ثالث بن رہے ہیں مسلمانوں کا ایک جم غفیر خود کو علمائے کرناٹک کا تابع قرار دے رہا ہے تو دوسرا انبوہ کثیر خود کو علمائے بنگال کا تابع قرار دے رہا ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے افراد پر لعن وطعن، گالی گلوج اور تکفیر و تفسیق کر رہا ہے اور ہر دو اپنی اپنی دائمی آخرت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ ونسال من جنابہ العفو والھدایۃ

بکری فرماتے ہیں۔

نے نا ایک دوسرا قبو لیئے
گرچہ اوسے دوسرا قبو لیئے
مِل چار یکس قبول جانے
علیت القضاۃ کر پچھانے
کرتے ہیں رد اس کو دوسرے چار
بکری تو رکھ اِن سے اون سے انکار
اب پوچھ بھلا جو بھیج لاحول
رکھ راست اپس کے فعل اور قول
اچھا یاد میں اپنے خدا کے
اپس کے قدیم آشنا کے

مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب و سنت کی پیروی کریں اور اہل سنت و جماعت کے مذاہب اربع (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کی مستند و معتبر کتابوں کو اپنا پیشوا بنائیں۔ انہیں زید و عمر سے کیا سروکار اور دین کے معاملہ میں قوم و ملک اور ماں باپ و استاد کا کیا اعتبار۔ کسی عالم کا قول کیوں نہ ہو اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق ہے تو اسکو قبول کر لینا چاہئے اور اگر مخالف قرآن و حدیث ہے تو اسکو قبول کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

مجتہد کو اجتہادات و استنباطات میں ائمہ اربعہ کے متفق مسائل سے اختلاف کرنے کا حق ہے اور شاگرد ہونے کے باوجود اپنے استاذ کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے مجتہدین نے آئمۂ اربعہ کے متفق مسائل کے خلاف اجتہاد کیا۔ چنانچہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اور دیگر شاگردوں نے اپنے استاذ امام اعظم ابو حنیفۃ النعمان سے بعض مسائل میں اختلاف کیا۔ لہٰذا دین داری میں کتاب و سنت کے برخلاف زید اور عمر کی اتباع کرنا دیانت سے بعید ہے اور یہ طرز عمل ایک مسلمان کے لئے زیبا نہیں۔ نفس امارہ کا مبتلا ایک شخص میرے دادا محترم محی الملۃ والدین سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری قدس سرہٗ سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے استفتاء کو چراغ کی نذر کر دیا اور اسی جلائے جانے کو استفتاء کا جواب قرار دیا۔

اہل زمانہ اور زمان فساد نشان کو دیکھتے ہوئے اس فقیر نے بھی چاہا کہ استفتاء کا جواب تحریر کرنے سے باز رہوں لیکن آل سعادت کے الحاج و التماس اور دیگر طالبان فتویٰ کی نیک طینت و نیک نہادی کا خیال کرتے ہوئے چار و ناچار مساعدت وقت کے مطابق سوالات میں تھوڑی سی اصلاح کرنے

ہوئے جوابات ارسال کر رہا ہوں۔ فرصت کی قلت اور رمضان کے ایام (جو آخرت سنوارنے کے لمحات ہیں) جوابات کی تفصیل و توضیح اور دستاویزات کی زیادتی اور عبارات کے ترجمہ کے لئے مانع ہیں۔ بعض امور کی تشریح ملاقات پر موقوف رکھی گئی ہے۔

مکرمی یوسف خان شروانی کے جواب میں التفات نامہ پہنچا۔ جواب طلب نہ رہنے کی وجہ سے تحریر جواب کی تکلیف و تکلف سے باز رہا۔ فقیر کی جانب سے خان صاحب موصوف اور بلند خان شروانی اور تمام دوستوں اور وہاں کے دیندار بھائیوں کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ یہاں کے اعزہ و اقارب کی جانب سے بھی سلام مسنون عرض ہے۔ حسب خواہش تفسیر شاہ مراد اللہ انصاری علیہ الرحمہ پر وعظ کہنے کی اجازت دے رہا ہوں اور اس تفسیر کی دونوں جلد بھی ارسال خدمت کیا ہوں ملنے ہی اطلاع دیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تنبیہ الغافلین بھی وعظ کہنے کے لئے بہت مفید رہیگی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام

منشی مستعان علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد سلام مسنون کے خاطر شریف پر واضح ہو کہ التفات نامہ جو انتہائی لطف و کرم کے ساتھ فقیر کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ باعث نواز ہوا۔ اور آپ کی خیر و کیفیت سے آگاہ کیا اور اطمینان قلب کا باعث بنا۔ الحمد للہ علی ذلک

مکرمی سید کریم الدین احمد خان بہادر کی ناسازئ مزاج کی خبر سن کر دل بے چین اور بے آرام ہو گیا۔ فقیر ان کی صحت اور سلامتی کے لئے دست بدعا ہے کیونکہ ان کی صحت و سلامتی اور خیر و عافیت میں ایک جماعت کی خیریت و عافیت شامل ہے گویا ان کی سلامتی ایک جماعت کی سلامتی ہے۔ اور ان کے لئے دعا کرنا ایک جماعت کے لئے دعا کرنے کا ہم معنی ہے۔ دعا دوا کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو حیثیت جسم کے لئے دل کی ہوتی ہے۔ اور دعا میں قضا و قدر کو رد کرنے کی صفت اور صلاحیت بھی ہے لیکن دوا کے اندر ہرگز اس صفت و صلاحیت کی توقع نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ لا یرد القضاء الا الدعاء۔ قضا و قدر کو بدل دینے والی کوئی چیز نہیں ہے سوائے دعا کے لہٰذا احقر آں مکرم کو اجازت دے رہا ہے کہ آپ سورۃ الشفاء (الفاتحہ) کو درود شفا کے ساتھ چینی کی طشتری پر زعفران سے لکھیں اور گلاب سے دھو کر ہر صبح نہار پیٹ پلائیں۔

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی "شرح سفر السعادۃ" میں فرماتے ہیں کہ دعا طب روحانی ہے اگر وہ صلحاء و ابرار کی زبان سے پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ جاری ہو جائے لیکن چونکہ یہ چیز نادر الوجود ہے جس کی وجہ سے لوگ طب جسمانی کی جانب مائل ہو کر اس سے غافل ہو گئے ہیں۔

اس چیز پر نظر کرتے ہوئے فقیر خود کو دعا کے شایاں تو نہیں سمجھتا لیکن صرف از دو عرف، استنجاب لکھ۔ مجھے پکا دو میں

تمہاری دُعا سنوں گا) قبولیت دُعا کی امید پر خود کو دُعا سے غافل نہیں رکھنا چاہتا۔ خلوص دل سے دعا کرتے ہوئے دوا بھیج رہا ہوں۔

خان صاحب ممدوح کی صحت و شفاء کی اطلاع سُننے کے لئے دل و دماغ بے چین ہے جیسے ہی شفاء نصیب ہو اوّلاً فقیر کو اس اطلاع کا مستحق سمجھیں اور تعویذ ملفوفہ کو خان صاحب کے مکان کے وسط اور دیوار پر چسپاں کر دیں کیونکہ یہ دیگر بلیات کے رد میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ درودِ شفاء درج ذیل ہے۔

اللھم صل علی محمدؐ و علیٰ آلِ محمدؐ بعدد کل داءٍ و دواءٍ و بعدد کل علۃ و شفاء۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام یکے از مخلصاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح خاطر عزیز ہو کہ آپ کا التفات نامہ اور ایک ارسال کردہ رسالہ دستیاب ہوا۔ تمام کی خیریت و کیفیت اور ادائے فرض کی اطلاع ذہن و دل کے لئے فرحت و مسرت کا باعث بنی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

مزاج کی ناسازی اور کئی دفعہ دبالوٹ آنے کی خبر مرقوم تھی اس سے اندازہ ہوا کہ غذا اور ہضم میں کسی طرح کا قصور اور فتور پیدا ہو گیا ہے

فان الداء اکثر ما تراۃ
یکون من الغذاء والشراب

بے شک زیادہ تر بیماریاں کھانے اور پینے کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔

آپ کی ذات گرامی مشعل ہدایت ہے۔ لہٰذا غذا کے استعمال اور ہاضمہ کی درستگی کا خاص خیال رکھیں اور گذشتہ بیماری کو نعمت الٰہی تصور کریں کیونکہ جو چیز جسم کے لئے تکلیف و الم کا باعث ہے۔ وہ روح کے لئے راحت رساں ہے اور جو جسم کے لئے راحت کا سبب ہے وہ روح کے لئے تکلیف و الم کا باعث ہے۔ لہٰذا بیماری فی الواقع اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جسکی وجہ سے ایک غافل شخص اللہ تعالیٰ کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔ اور اپنی آخرت سنوارنے میں لگ جاتا ہے۔ واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ واذا مسہ الشر فذو دعاء عریض۔ اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو ٹلا جائے اور موڑ لے اپنی کروٹ۔ اور جب لگے اسکو برائی تو دعائیں کرے چوڑی۔

دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے تاکہ بیج زمین استعداد میں بوئیں اور ایک دانہ سے سات سو دانے بنائیں۔ لہٰذا آپ کو ہر اُس شخص سے کنارہ کش رہنا چاہیئے جسکو جسمانی راحتیں اور بے ثبات دنیاوی لذتیں آخرت کی تعمیر میں مائل بنی ہیں اور اسکو غافل کر دی ہیں۔ ما الدنیا الاخرۃ تا ب ان رضیت احدا ھما سخطت

الاخریٰ۔ دنیا اور آخرت دو سوکن جیسی ہیں ان میں سے ایک راضی ہو گئی تو دوسری ناخوش ہو گی۔

یہی وہ مقام ہے جسکے تعلق سے بزرگانِ کرام نے علمائے سلف سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی بیمار اور مفلس آدمی اہل اللہ کی صحبت میں رہنے لگتا تو پھر اسکے بعد صحت اور دولت کا خواہاں نہیں رہتا۔

بھائیوں کے روزگار معاش کی فکر کو دل میں جگہ نہ دیں۔ آخرت اور دین کی فکر کیجیے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا (کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اسکی روزی) کی آیت کے حکم کے مطابق رزاق حقیقی مخلوق کی روزی کا ذمہ اپنے اوپر لے چکا ہے اور وہ رزق رسانی کے طریقے خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ شکم مادر میں ناف کے راستہ سے انسان کی پرورش اس طرح کیا کہ وہاں امراض اور وباؤں کا گذر تک نہیں اور جب فضائے دنیا میں سانس لینے لگا تو ماں کے پستان سے شیریں دودھ پہنچا دیتا ہے اور اب جب کہ عقل و حواس اور اعضاء و زور بازو کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا ہے تو پھر بھلا پرورش اور روزی کی کفالت کی ضمانت کیوں نہیں لے گا۔

لیکن ایک مسلمان کو چاہئے کہ بقدر ضرورت قناعت اختیار کرے اور ضرورت و حاجت کی حد اور دائرہ سے باہر پاؤں نہ نکالے تاکہ زائد اور فضول چیزوں میں گرفتار نہ ہو سکے اور دنیا کو ایک بیت الخلاء کی طرح تصور کرے کہ جس میں آدمی نفرت اور ناخوشی کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور اس میں ضرورت کی حد تک ہی ٹھہرتا ہے۔ بقدر ضرورت کا یہی وہ احساس اور تصور تھا جسکی وجہ سے سلف صالحین نے ایک سے زائد کپڑا تک رکھنا پسند نہیں کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جو لباس انکے بدن مبارک پر تھا اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔ اے اللہ مجھے فقر و مسکنت کے ساتھ زندہ رکھ اور اسی حالت میں موت دے اور مجھے مساکین کے زمرۃ میں اٹھا۔

لڑکیوں کی شادی کرنے میں طریق سنت کو پیش نظر رکھیں اور کسی بھی شخص سے قرض لینے میں سختی کے ساتھ اجتناب کریں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مخلوق کا حق، خالق کے حق سے ستر درجہ زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھانے سے رک گئے جس پر

دو یا تین درہم قرض تھا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میت کا قرض ادا کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھایا۔

آپ کے افراد خاندان شریعت کے احکام پر استقامت اختیار کرنے کی خبر سے دل مسرور ہوا اس دور غفلت نشان میں آپ اس عظیم ترین نعمت پر جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کم سمجھیں ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین وجعلنا للمتقین اماما۔ اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا اور ان کے تزکیۂ نفس اور تصفیہ روح میں پوری رغبت و خواہش اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ مصروف عمل رہیں کیونکہ جسم روح کے تابع ہے۔

اللہ کی نصرت اور تائید تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام محی الدین شریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوبِ گرامی اور فقیر کے عقد پر مبارکبادی کا مراسلہ دستیاب ہوا اور اسکے مطالعہ سے مشرف کیا۔ آنجناب دور افتادہ فقراء کو یاد فرماتے ہیں اور محبت و اخلاص کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ یاد، ذکر و قربِ الٰہی کا موجب ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب ہوگی۔ انہ قریب مجیب۔

محبت آثار! نکاح کو نصف دین اور انبیاء و مرسلین کی سنت کہا گیا ہے اور سلف صالحین میں خود بھی نکاح کے بغیر مجرد و تنہا رہنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ اس علاقہ کے اکثر لوگ مشیخت و سیادت اور حسب و نسب کے پندار میں مبتلا اور رسومات میں گھرے ہیں یہاں تک کہ بدن پر ہلدی اور تیل ملنے اور دلہن کے بدن پر معری رکھنے کو موجبِ شرافت سمجھتے ہیں اور ننگ و ناموس اور لوگوں کے پاس و لحاظ کی خاطر منہیات کو اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ عزت و شرافت حاصل کرنا نہیں جانتے بلکہ رسومات کی ادائیگی کو عزت و شرافت سمجھتے ہیں۔ اور یہ مسکین کسی کو آدابِ شرعیہ سے آراستہ نہیں پایا تو تجرید کے سوا چارہ نہیں سمجھا تھا لیکن مجذوبی شاہ غلام محمد جعفری آدابِ شرعیہ سے آراستہ ہیں اور وہ ہم فقراء کے ساتھ آبائی تعلق و ارتباط رکھتے ہیں اور شر و نخوت سے کوسوں دور ہیں اور انہوں نے غیر شرعی رسومات ترک کرنے کا اقرار کیا تو انکے گھر میں ازدواج کا اقدام کیا تاکہ متبع سنت رہوں۔ والدہ صاحبہ، حاجی سید محی الدین قادری اور برادرم سید عبد العلی قادری سلام مسنون پیش فرماتے ہیں۔

اللہ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام

سیّد احمد صاحب نور اللّٰہی المتخلص بہ مُشتاق مدراسی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

اس سے قبل ایک مکتوب موصول ہوا اور مضامین مندرج سے آگاہ کیا اور آپ کے خواب سے متعلق بھی اشارہ کرچکا تھا۔

مخدومِ من!

بنارس، متھرا، ترمتی، ترتنی، ترنامل اور کینچی میں کوئی قیمتی پتھر نہیں ہے لیکن کروڑوں انسان ان مقامات کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں۔ نیز ملا علی قاری نے "منح الازہر" میں فرعون کو اولین اور آخرین کا بہت بڑا شقی و بدبخت لکھا ہے۔ اسکے باوجود شیخ محی الدین ابن عربی اس کے حق میں حسن ظن رکھے ہوئے ہیں اگر حضرت نادر ولی ناگوری قدس سرہ اور آن مخدوم اس فقیر کے حق میں جو کہ ہوش و گوش اور حس و حرکت رکھتا ہے اور مسلمان ہے۔ حسن ظن رکھے تو تعجب کیا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ سے اُمیدوار ہوں کہ وہ اس حسن ظن کو واقع کے خلاف نہیں قرار دے گا اور مجھ عرضی و سفلی کو عرشی و علوی بنا دے گا۔ انہ قریب مجیب۔ آپ نے اپنے برخوردار عبد العزیز مد عمرہ کو خلافت دینے سے متعلق ارشاد فرمایا تھا آپ سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ فنا و بقا کے حصول اور مبدأ و معاد پر اطلاع کے بغیر خلافت دینا درست نہیں ہے۔ آپ کا حکم صادر ہوا تو اسکی تعمیل میں برخوردار کو خلافت عطا کر رہا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ اس منصب پر پہنچنے کے بعد خلافت کا اجرا فرمائیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ کی نگاہ کیمیا اثر مذکورہ برخوردار کی تربیت کی جانب مرکوز رہیگی۔

یہ مسکین روز شنبہ ۲ شعبان کو حرمین شریفین کا عزم کر رہا ہے۔ آپ کی دعائے خیر کا امیدوار سمجھیں۔ دل میں بہت سی باتیں ہیں لیکن وقت کی قلت کے باعث ان کی ترجمانی سے زبان قلم قاصر ہے۔

ایام ہدایت و مشیخت دراز باد۔

مکتوب بنام

محمد حسین صاحب ناطق سہنسرنگری المعروف بہ مولانا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ آپکا التفات نامہ جو کمال لطف و کرم کے ساتھ اس مسکین کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ موصول ہوا اور قائم و دائم اور باقی رہنے والی ذات کی محبت و جمعیت کی بو باس سے مشامِ جان کو مہکا دیا اور خوشیوں و مسرتوں کا باعث بنا الحمد للہ علی ذلک۔ حالات اور اشتیاق شریف سے آگاہ کیا۔ غیر اللہ کی کدورتوں سے چونکہ پاک و صاف تھا بہت اچھا معلوم ہوا۔

ایں کار دولت است اکنوں تا کرا رسد۔
بارک اللہ فیکم و فی کل شانکم۔

سعادت آثارا!

اللہ تعالیٰ کی دو صفت خاصہ ایسی ہیں جن میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہے۔ ایک احاطۂ علمی جو زمانوں، مکانوں عقول۔ اذہان اور زبانوں کا باہمی اختلاف اللہ تعالیٰ کے علم کے لئے مانع اور حائل نہیں ہے۔ دوسری قوت نزدیک ہونا اور انسانی عقل و ذہن کو پُر کرنا ہے۔ جسکو شریعت کے عرف میں دنو، تدلی، قرب اور نزول کہتے ہیں۔ اور ان ہی دو امر پر کارخانۂ سلوک کا دارومدار ہے اور راہِ خدا کا سلوک عبارت ہے اپنے نزدیک اللہ تعالیٰ کا حضور طلب کرنے سے۔ اور جب یہ استحضار ہمیشہ حاصل رہے تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور ہم صحبتی کا حکم میسر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات۔ بشریت کے افعال و صفات پر غالب آجاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی تمشی بہا۔

جب میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب

حاصل کر لیتا ہے تو میں اسکو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پس جب اسکو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اسکا کان ہو جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اسکی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اسکا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ جسم اور جہت سے مبرا و منزّہ اور پاک و صاف ہے تو اسکا حضور تصوّر (جس کو شریعت کے عرف میں تفکر کہتے ہیں اور صوفیاء کی اصطلاح میں مراقبہ و نگرانی کہتے ہیں) ذکر اور تلاوتِ قرآن کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔

اور اس بلادِ کفرستان اور زمانِ غفلت و طغیان میں کوئی ایسا شخص جو جادۂ شریعت کا سالک ہو اور احیائے سنت و انسدادِ بدعت کا کام انجام دے۔ یہ تو عنقا ہے۔ جب راہِ خدا کا سالک میسر ہونا ہی محال نظر آئے تو پھر بھلا سلوک کی رہنمائی کا کیا سوال۔ ایک مرتبہ تو مومن آلم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا (کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں) کے حکم کے مطابق مقصود و مطلوب کے حصول تک اس جگہ سے ہجرت کا خیال پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اور تلاوتِ قرآن اور تفاسیر بالخصوص تفسیر رحمانی، تفسیر عزیزی کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ طلب مقصود کے لئے کوئی

دوسرا طریقہ تلاوت (فہم و تدبر کے ساتھ) سے بہتر نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی۔ میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت چھوڑے جا رہا ہوں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت میں ضروری ہے کہ کلام کو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سنیں، یہ اوقیٰ مرتبہ ہے اور خود کو ہر قصہ اور ہر خطاب کا مخاطب جانیں۔ یہ اوسط مرتبہ ہے۔ اس میں اپنے افعال اور صفات کا مشاہدہ کریں۔ یہ اعلیٰ مرتبہ ہے۔ انہ هو القریب و المجیب۔

آپ کے برادر محترم اور دیگر دہندار بھائیوں کی خدمت میں سلام مسنون پہنچائیں اور اس مسکین کو اپنوں سے علیحدہ نہ سمجھیں المرء مع من احب۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ اسے محبت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ہم اور تمام مسلمان دنیا کی عاجلہ و بے مہلت لذتوں اور پراگندہ تعلقات سے دھوکہ نہیں کھائیں گے جنکو فنا کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور اللہ اپنی محبت و جمعیت کی بوباس سے مشامِ جان کو مہکا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار عظیم ترین

نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اسی پر کلام مکمل اور منتہی ہے۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شی قدیر

اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو۔ بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

نقوش طاہر

ادارہ

حضرت مولینا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری نوراللہ مرقدہٗ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کا ایک فکرانگیز مختصر مضمون ھدیۂ ناظرین ہے۔ اُمید کہ یہ تحریر ملّت کے ذمہ دار حضرات کو وقت کی اس اہم ترین ضرورت کی جانب توجہ مبذول کرانے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہزاروں درود اور ہزاروں سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی صفات پر جو محبوبِ رب العالمین ورحمۃٌ للعالمین ہیں۔

ایک حکیم دانا سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیئے، اس نے جواب دیا کہ جب تک حیات مہربان رہے۔

علم ایک عمدہ نعمت اور سرمایۂ حیات ہے، علم کی وہ روشنی ہے، جس سے آدمی دانا و بینا ہوتا ہے، طبیعت میں جولانی پیدا ہوتی ہے، بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک بنتا ہے، اور اس میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے، پاکیزہ اور شائستہ زندگی اختیار کرتا ہے اور سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کرتا ہے۔ اس طرح ایک اور حکیم دانا کا قول ہے کہ علم جیسی عمدہ نعمت کے پھیلانے میں جو بھی صرف کرے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کنویں کا پانی جب خالی کیا جاتا ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد پہلے جتنا تھا اتنا ہی رہتا ہے اور کنواں کبھی خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ بھرا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ سلف کے لوگوں میں علم کا شوق زیادہ تھا اور علم کو پھیلانے میں زیادہ کوشاں رہتے تھے۔ خالقِ کائنات نے بھی انہیں دین و دنیا کی دولت سے نوازا

تھا، لیکن موجودہ دور میں بے بسی و بے حسی حد سے فزوں ہوچکی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جابجا جہالت کی تاریکیوں نے لوگوں کو علم کی ان برکتوں اور فائدوں سے بھی محروم کردیا ہے جو انسان کو انسان بنانے میں۔ کمال افسوس کے ساتھ چند عبرت انگیز واقعات ناظرین کیلئے پیش کیے جاتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

بیجاپور کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اتنی ابتر ہے کہ اکثر مسلمان جہالت اور تاریکی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لاعلمی کی وجہ سے مذہب سے بہت ہی دُور ہوچکے ہیں۔ ان کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے پنڈت وہاں کے مسلمانوں میں اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ چند سال قبل وہاں کے چند مسلمانوں نے پریشان ہوکر بنگلور کو ایک تفصیلی خط لکھا کہ یہاں مسلمانوں کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے، لہٰذا چند علما کو روانہ کریں تاکہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ اسلام کے صحیح اُصول اور خوبیاں بیان کریں اور اس طرح اُنہیں کفر میں مبتلا ہونے سے بچالیا جائے۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجیے کہ ہمارے ہی علاقہ مدراس میں حکومت کے بہت بڑے آفیسر صاحب کے ایک خاص فرد جو گریجویٹ ہیں اپنے ہی مذہب سے اتنے لاعلم ہیں کہ انہیں اور ان کی اہلیہ کو نماز، وضو، و غسل کے فرائض تک معلوم نہیں.....!

اب بتایئے کہ جب انہیں وضو کرنا نہیں معلوم اور نہ نماز پڑھنی آتی ہے اور نہ ہی غسل کا طریقہ جانتے ہیں تو ان کی مذہبی حالت کیا ہوگی! جب یہ مذہب سے اتنے بے خبر ہیں اور ایمان کی چاشنی اور حقیقی لذتوں سے دُور ہیں تو ان کی بعد والی نسلوں کا کیا حال ہوگا۔ یہی حالت عام طور پر اکثر جہلا طبقہ میں بیڑی سازوں اور تانگے والوں میں پائی جاتی ہے۔

آج کل اسکولوں میں جو لادینی تعلیم دی جاتی ہے اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی ہو رہا ہے کہ مسلمان بچے اپنے مذہب سے لاعلم اور بہت دُور ہوتے جارہے ہیں حتیٰ کہ بعض جگہوں پر مسلمان بچوں کے ہندو نام رکھے جاتے ہیں اور مزید اس پر یہ کہ ہندو مسلک کے مطابق ایک مسلمان نے اپنی حقیقی بھانجی سے نکاح کرلیا ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں منظرِ عام پر آرہی ہیں جن کا تدارک فوری طور پر ضروری اور لازمی ہے۔ دیگر بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو شادی، طلاق، خلع اور دیگر احکام شرعیہ سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہر شہر اور دیہات میں اور ہر کوچہ و محلہ کی مسجد میں ایک ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مسجد ہی کے امام کی تنخواہ میں اضافہ کرکے مدرس کا بھی کام سپرد کیا جائے۔ اس طرح ہم بہترین طریقہ پہ اپنی قوم و ملت کی خدمت کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ شہر و دیہات و محلہ کے بچوں کو چاہئے کہ انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے یا اور کوئی پیشہ کرتے ہوئے اپنی دینی اور روحانی تعلیم بھی ان مدرسوں میں ایک وقتِ مقررہ پر تھوڑی دیر حاصل کریں، تاکہ ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرسکیں، مثلاً نماز، روزہ وضو و غسل وغیرہ کے فرائض و سنن سے واقف ہوجائیں اور اس سے ان کی دین و دنیا کی زندگی بہتر ہوجائے۔

قوم کا ایک بہت بڑا طبقہ جو ان نعمتوں سے محروم ہے شرک و بدعت جیسی رسومات میں مبتلا ہے۔ قوم کے خوش نصیب و خوش حال لوگوں کو چاہیے کہ اپنے اسلاف کی طرح ان نونہالوں کی اصلاح اور ان سے جہالت کی تاریکی دور کرنے کی سعی بلیغ فرمائیں، جس طرح رات کی تاریکی ختم ہوکر صبح کی روشنی پھیلنی شروع ہوتی ہے اسی طرح یقیناً ایک نہ ایک دن گھر گھر علم کا چرچا ضرور ہوجائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس وقت کی پکار کو مقبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو دینِ اسلام کے بلند پایہ اصولوں پر پابند و قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

از: مولینا سید شاہ عثمان صاحب قادری عرف فصیح پاشاہ صاحب ایم اے (مدراس یونیورسٹی)
- ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور -

اللہ تعالیٰ نے ہزاروں مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے جن میں سے ایک مخلوق انسان بھی ہے۔ اور اس مخلوق کو سب سے زیادہ نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور اسکی تخلیق اور پیدائش کا مقصد اپنی بندگی وعبادت قرار دیا جیسا کہ وحیٔ محمدی ناطق ہے وَمَا خلقت الجن والانسان الا لیعبدون ہم نے جن و انسان کو اپنی بندگی کے خاطر پیدا کیا ہے اسی آیت طیبہ سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ خالق کی عبادت و بندگی کے لئے اسکی معرفت لازم ہے۔ کیونکہ جب تک اپنے معبود کو نہ پہچانا جائے تو اسکی عبادت بھی صحیح طور پر نہیں ہو سکتی اسی لئے حضرات صوفیہ کرام نے خالق کی معرفت کو اصل اور عبادت کو فرع قرار دیا جب اصل نہ ہو تو فرع کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

امام العارفین حضرت مولینا رکن الدین سید شاہ ابو الحسن قادری قربی ویلوری علیہ الرحمہ اپنے رسالہ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں۔

دریں جا مقدمہ کہ دانستن آں طالب حق را ضروراست، اول آنکہ خلق آنکہ انسان برائے حصول معرفت اللہ است کہ وَمَا خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون۔ دوم آنکہ مکان حصول معرفت ہمیں دار فناست وبس کہ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ سیوم آنکہ برائے حصول آں ارتکاب ریاضت شاقہ از ترک طعام و نوم وازدواج۔ واولاد و کسب ومال ومتاع درکار نیست ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم۔

یعنی اس جگہ ایک مقدمہ ہے کہ اسکا جاننا

طالب حق کے لئے ضروری ہے اول یہ کہ انسان کی تخلیق
و پیدائش، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے ہے اس
لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن و انسان کو میں نے اپنی
عبادت یعنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ دوم یہ کہ
اس معرفت کو حاصل کرنے کا مقام یہی دنیا ہے
اس لئے کہ اللہ نے فرمایا جو اس دنیا میں اندھا ہے
وہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ سوم یہ کہ اس معرفت
کو حاصل کرنے کے لئے ریاضات شاقہ کا مرتکب
ہونا، اور کھانے، پینے، سونے، بیوی، بچے، کسب
مال سامان اور اسباب کو ترک کرنے کی ضرورت
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس رہبانیت کو انہوں
نے ایجاد کیا ہے اسکو ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا ہے
اللہ کی عبادت اور بندگی میں سب سے
بڑی رکاوٹ دو قوتیں ہیں ایک شیطانی اور دوسری
نفس امارہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و
شعور اور علم و ادراک کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ
انبیاء و مرسلین کو دنیا میں مبعوث فرمایا تاکہ
وہ وحی کی روشنی میں راہِ راست پر گامزن رہ سکے۔
قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں
لکھتے ہیں کہ روح کی دو قسم ہیں علوی اور سفلی روح
علوی۔ مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جسکی
حقیقت کا علم و ادراک مشکل ہے۔ اور روح سفلی
وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسان کے عناصر اربعہ
آگ، مٹی، پانی، ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی روح
سفلی کو نفس کہتے ہیں۔ اور یہی روح سفلی جسکو
نفس کہتے ہیں اسکا تعلق بدن انسانی میں سب سے
پہلے دل سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات
اور زندگی ہے۔

صاحب لغات کشوری نے نفس کے معنی
اور اسکی اقسام کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔
نفس، جان، روح، حقیقت شئی کی، ہستی
عین ہر چیز کا۔ جمع اسکی نفوس اور انفس آتی ہے۔
واضح ہو کہ اصطلاح تصوف میں نفس کی تین قسمیں
ہیں۔ نفس امارہ۔ خواہش طبیعت انسان کی طرف
لذات دنیا اور دنیا کے کاموں کے۔ امارہ صیغہ
مبالغہ کا ہے یعنی سخت حکم کرنے والا۔
نفس لوامہ۔ اپنے آپ کو ملامت کرنے
والا۔ نور دل کی ہدایت سے گناہوں کے کرنے پر۔ نفس
مطمئنہ: یہ وہ نفس ہے جو بری باتوں سے بالکل
پاک و صاف ہے اور کل اچھی باتوں سے موصوف اور
خدا کے پاس نہایت اطمینان سے جاتا ہے۔

نفس کے مذکورہ تین درجوں میں پہلا درجہ
انسان کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اور ہلاکت
خیز ہے جسکے مکر اور شر سے محفوظ رہنے اور اسکی
مخالفت کرنے کی شریعت مطہرہ نے بڑی تاکید
فرمائی یہی وہ نفس ہے جسکے اثر سے انسان راہِ

راست سے بھٹک جاتا ہے۔ اور اپنی آخرت کو تباہ و تاراج کر لیتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے انسان کو تاکید کی۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو وہ تو تمہیں راہ خدا سے گم کر دے گا۔ ایک دوسری جگہ یہ ہدایت کی ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ اور جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور نفس کو حرام خواہشات سے روکا ہو گا تو اسکا ٹھکانا جنت ہے۔

نفس کی مخالفت اور اسکے ساتھ مجاہدہ کو افضل جہاد اور اکبر جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ افضل الجہاد جہاد النفس۔ نفس کے ساتھ جہاد کرنا بہترین جہاد ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں صاحب مکاشفۃ القلوب فرماتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب جہاد سے واپس آتے تو کہتے ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اور صحابہ رضؓ نے نفس شیطانی اور خواہشات سے جہاد کرنے کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے اس لئے اکبر اور عظیم کہا کہ نفس سے جہاد ہمیشہ جاری رہتا ہے اور کفار کے ساتھ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد میں غازی اپنے دشمن کو اپنے سامنے دیکھتا رہتا ہے مگر شیطان نظر نہیں آتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اپنے بصیرت افروز اور معرکۃ الآراء خطبات میں نفس سے متعلق فرماتے ہیں۔

جو شخص نفس کی اصلاح کرنا چاہتا ہے لازم ہے کہ اسکے ساتھ جہاد کرے اسکی وجہ سے وہ اسکے شر سے محفوظ رہ سکے گا کیونکہ وہ از سر تا پا شر ہے۔ جب تم اس سے جہاد کر کے کامیاب ہو گئے تو سمجھو کہ وہ سر تا سر خیر ہے وہ خدا کی اطاعت میں تمہاری موافقت کرے گا گناہوں کے ترک کرنے میں تمہارا ہمنوا ہو گا۔ اس وقت غیب سے آواز آئے گی۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف خوشی اور رضامندی کا تحفہ لیا ہوا لوٹ جا۔

نفس کے متعلق سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔

جو شخص اپنے نفس کی اصلاح نہیں کر سکتا وہ دوسروں کے حق میں کبھی مصلح نہیں بن سکتا۔ تیرا نفس تجھ سے وہی کام کراتا ہے جسکے ساتھ تو نے اسے مانوس بنایا ہو۔

حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ اپنے مشہور و معروف قصیدہ بردہ شریف میں نفس کے متعلق

فرماتے ہیں: ۔

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علیٰ
حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

نفس ایک بچہ کی طرح ہے اگر تم اسکو دودھ پلانا ترک نہ کروگے تو وہ جوان ہو کر بھی پیتا رہیگا۔

غرض جب نفس امارہ کو ختم کر دیا جائیگا تو وہ لوامہ اور مطمئنہ کی منزل میں پہنچ جاتا ہے جس سے انسان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہے اور اللہ کی معرفت اور اسکی بندگی وعبادت کے لئے حجابات ختم ہو جاتے ہیں اور یہی نفس اللہ کی معرفت اور پہچان کا ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے چنانچہ قدوۃ السالکین سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ قطب ویلوری اپنی فاضلانہ و محققانہ تصنیف جواہر السلوک میں فرماتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نفس کی معرفت حق کی معرفت کی چابی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں آیا ہے "تم اپنے نفس کو پہچانو تو اپنے رب کو پہچان لوگے" آثار و اخبار میں آیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یہ کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ نفس انسان آئینہ کی طرح ہے جو اس میں نظر کرے گا وہ حق کو دیکھ لے گا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ میں نظر کرتے ہیں مگر حق کو نہیں پہچانتے اس کے لئے پہلے اپنے نفس کو آئینہ معرفت کی حیثیت سے پہچاننا ضروری ہے۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت بہت دیر فہم ہے جس کو اکثر عوام نہیں جان سکتے اور ان کی سمجھ اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جو بات عوام نہ سمجھ سکتے ہوں اس کا کہنا بھی ٹھیک نہیں۔

دوسری وہ صورت ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے ذات حق کی ہستی اور اپنی صفات سے حق کی صفات کو پہچانے اور وہ اپنی مملکت میں تصرف سے جو اس کے تن و اعضاء ہیں تمام عالم میں حق تصرف سمجھے۔ اسکی شرح یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے آپ کو ہست (یعنی موجود) دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے وہ نیست تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

" انسان پر زمانے میں سے ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے کہ وہ قابل ذکر چیز نہیں تھا بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا۔ پھر اسکو آزمانا چاہتے ہیں اسی لئے ہم نے اسکو سننے اور دیکھنے والا بنایا" انسان اپنی ہستی سے پہلے اپنی آفرینش کی جس اصل کو پاتا ہے وہ ایک نطفہ ہے۔ گندہ پانی کا قطرہ۔ اس میں نہ عقل ہے، نہ سمع، نہ بصر نہ سر، نہ ہاتھ، نہ پیر، نہ زبان، نہ آنکھ، نہ رگ، نہ پٹھا، نہ ہڈی، نہ گوشت، نہ پوست

بلکہ ایک ہی صفت کا ایک سفید حقیر پانی تھا۔ پھر یہ تمام عجائب اس میں ظاہر ہوئے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا خود انسان نے اپنے آپ کو پیدا کیا یا کسی اور نے۔ جب بدیہی طور پر یہ جانتا ہے کہ اب درجۂ کمال کو تو پہنچا ہوا ہے لیکن ایک بال بھی پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ اسی سے یہ جاننے لگتا ہے اسوقت جبکہ یہ ایک قطرۂ آب تھا بہت ہی عاجز اور ناقص تھا۔ لامحالہ اسکو اپنی ذات کے وجود سے پیدا کرنیوالے کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ جب انسان از روئے ظاہر و از روئے باطن اپنے جسم کے عجائب پر نظر کرتا ہے تو اس پر اپنے پیدا کرنے والے کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور یہ جاننے لگتا ہے کہ اسکو ایک کمال درجہ کی قدرت ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اور جیسا کہ چاہتا ہے پیدا کر سکتا ہے کیا اس سے بھی زیادہ کامل کوئی قدرت ہو سکتی ہے کہ ایسے حقیر و مہین پانی کے قطرہ سے باکمال و باجمال صورت جو عجیب و نادر ہو پیدا کر سکے۔

اور جب وہ اپنی صفات کی عجائبات میں اور اپنے اعضاء کے فائدوں میں غور کرتا ہے کہ ہر ایک کو خالق نے کس حکمت کے لئے پیدا کیا ہے تو وہ اعضاء ظاہری سے جیسے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان اور دانت وغیرہ اور اعضاء باطنی سے جیسے جگر تلی، پتہ وغیرہ سے اپنے خالق کے علم کو پہچاننے لگتا ہے کہ اس کا علم انتہائی کمال درجہ کا ہے اور تمام چیزوں کو محیط ہے اور یقین کرتا ہے ایسے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہو سکتی۔ اگر تمام عقل و فہم کو اکٹھا کر دیا جائے انہیں طویل عمریں عطا کر دی ہیں اور یہ لوگ اس امر کیلئے غور و فکر کرنے لگیں۔ ان اعضاء میں سے کسی عضو کے لئے موجودہ صورت کے علاوہ اور بہتر صورت نکال سکیں تو یہ ناممکن ہوگا۔ نکال نہیں سکیں گے۔ مثلاً آگے کے نوکدار دانت جن سے غذا کے کترنے کا کام لیا جاتا ہے اور دوسرے وہ دانت جن کے سرے چپٹے ہوتے ہیں اور جن سے غذا چبائی جاتی ہے اور ان کے پہلو میں زبان کی چکی پیسنے والے کے ملکے کی طرح جس سے غلہ چکی میں ڈالا جاتا ہے، اور زبان کی وہ قوت جو اسکی تہہ میں ہے چھڑک چھڑک کر آٹا گوندھنے والے کے خمیر کی طرح جس وقت چاہئے اور جس قدر چاہئے پانی مہیا کرتی ہے کہ غذا بھیگے اور آسانی سے حلق میں اتر جائے پھنسنے نہ پائے۔ اگر تمام عقلائے عالم ان چیزوں پر غور کریں اور ان کی کوئی دوسری صورت تجویز کرنا چاہیں تو اس سے بہتر تجویز نہیں کر سکتے۔

اسی طرح ہاتھ جس میں پانچ انگلیاں ہیں چار انگلیاں ایک قطار میں ہیں۔ انگوٹھا ان سے دور ہے اور لمبائی میں ان سے کم ہے، ایسا کہ ہر ایک انگلی کے ساتھ کام کرتا ہے اور تمام پر اسکا گذر ہوتا ہے

ہر ایک انگلی کے تین ظاہر جوڑ ہیں اور انگوٹھے کو دو ظاہر جوڑ ہیں، وہ اسی طرح بنایا گیا ہے اگر وہ چاہے تو پنجہ بنا دے، اگر چاہے چلو بنا دے، اگر چاہے اسکو بند کرے اگر چاہے انگلیوں کو جمع کر کے ہتھیار بنالے اگر چاہے تو پھیلا کر طبق بنالے، غرض وہ مختلف صورتوں اور شکلوں سے کام میں آتا ہے۔ اگر تمام عقلائے عالم ان انگلیوں کی ساخت اور ہیئت کی کوئی دوسری صورت سوچیں مثلاً تمام ایک صف میں ہوں یا تین ایک طرف اور باقی دو ایک طرف یا پانچ انگلیوں کی بجائے چھے یا چار ہوں یا یہ کہ تین جوڑوں کی بجائے دو یا چار جوڑ ہوں۔ غرض جو بھی سوچیں گے وہ ناقص صورت ہوگی، کامل تر صورت وہی ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا ہے

تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیدا کرنے والے کا علم اس شخص پر محیط ہے اور وہ تمام چیزوں سے آگاہ ہے۔ انسان کے اجزاء میں سے ہر جزو میں ایسی ہی حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔ ان حکمتوں کو جو کوئی جس قدر معلوم کرے گا اسکو علم خداوندی کی عظمت سے اتنی ہی زیادہ حیرانی ہوگی۔ جب انسان اپنی حاجتوں کی طرف نظر کرتا ہے تو پہلے وہ اپنے اعضاء کو پھر غذا لباس اور مسکن کو دیکھتا ہے۔ نیز یہ دیکھتا ہے کہ اپنی غذا کے لئے بارش، ہوا، سرما اور گرما کی ضرورت ہے۔ ایسی صنعتوں کی بھی ضرورت ہے کہ ان کو بخوبی کام میں لائے اور ان صنعتوں کے آلات کی بھی ضرورت ہوتی ہے جیسے لوہا، تانبا، پیتل، سیسہ اور لکڑی وغیرہ ان آلات کے واسطے علم اور ہدایت کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کو کس طرح بنایا جائے۔ ان تمام پر نظر ڈالنے کے بعد، یہ دیکھتا ہے کہ یہ تمام چیزیں بہترین اور کامل ترین صورت پر پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہیں۔ اگر اتنے ممکن انواع میں سے کسی نوع کو پیدا نہ کیا ہوتا تو کسی کے دل میں اس کا تصور تک نہ آتا اسکو بنا بھی نہ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہے کہ انسان کے جانے اور چاہے بغیر بنا دیا۔ اس مقام سے اسکو اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت کا علم ہوتا ہے کہ تمام کی حیات اولاً اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور اسی صفت کا تعلق تمام مخلوقات کے ساتھ اسکی مہربانی اور عنایت و رحمت ہے جیسا کہ اسکا قول ہے (ترجمہ) "میری رحمت کو میرے غضب پر سبقت حاصل ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیر خوار بچہ پر ماں کی جو شفقت ہوتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی شفقت اپنے بندوں پر ہوتی ہے۔

پس انسان اپنی ذات کے ظہور سے ذات حق کو پہچان لیا اور اپنے اجزاء و اعضاء کی گوناگوں تفصیلات سے حق تعالیٰ کی کمال

قدرت کو دیکھ لیا، اور اپنے اعضاء کی منفعتوں اور عجیب عجیب حکمتوں میں حق تعالیٰ کے کمال علم کو جان لیا اور اپنے میں جن چیزوں کو مجتمع پاتا ہے بعض بلحاظ ضرورت (جیسے، دل جگر، دماغ وغیرہ) یا بلحاظ حاجت (جیسے ہاتھ پیر وغیرہ) یا بعض خوبصورتی و زینت کی خاطر (جیسے بالوں کی سیاہی وغیرہ) ان میں حق تعالیٰ کی مہربانی و رحمت کو پالیا اس لحاظ سے معرفت نفس معرفت حق کی چابی اور آئینہ ہے۔ ایسا ہی کیمیائے سعادت میں مذکور ہے۔

سلطان العلماء عزالدین عبدالسلام مقدسی "حل رموز میں" فرماتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ جس آدمی کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے اور اپنے پوشیدہ اسرار کو اس پر ظاہر کرتا ہے وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ کونین میں اپنی ذرات کی ضروریات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اپنی ذات و صفات کے اندر مندمج اور مندرج نہ ہو۔ یہی من عرف نفسہٗ عرف ربہٗ کا راز ہے اس کلام سے اسکی توضیح اور تشریح ضروری و مستحسن ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس روح کو جثۂ جسمانی میں رکھا، وہ ایک لطیفہ لاہوتی ہے جو کثیف ناسوتی جسم میں ودیعت کیا گیا ہے اور یہ اسکی وحدانیت اور ربانیت پر دلالت کرتی ہے اس پر دس وجوہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ہیکل انسانی ایک مُدبّر اور محرک کا محتاج ہے

اور یہ روح اسکی مدبر و محرک ہے اس سے ہم جاننے لگتے ہیں کہ اس عالم کے لئے ایک مدبر اور محرک کی ضرورت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جسد انسانی کا مدبر ایک ہے اور وہ روح ہے، اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس عالم کا مدبر ایک ہی ہے اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اگر ان دونوں میں اللہ کے سوائے کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اگر اسکے ساتھ اور معبود ہوتے جیساکہ وہ کہہ رہے ہیں، اس وقت وہ عرش والے کی طرف راہ ڈھونڈتے وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے وہ پاک اور بہت ہی برتر ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اللہ نے اپنے لئے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور اس کے ساتھ کوئی بھی معبود نہیں (اگر ایسا ہوتا تو) اسوقت ہر معبود اپنی پیدا کی ہوئی چیز کے ساتھ الگ نکل جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو وہ کہتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جسم روح کے ارادے اور اسکی تحریک سے حرکت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے بنانے میں اللہ کا ارادہ کارفرما ہے اور خیر و شر میں ہر متحرک کی حرکت اسی کی تقدیر، ارادے اور قضا سے ہوتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جسم میں جس شئی کی بھی حرکت ہوتی ہے اس کا علم و شعور روح کو ہوتا ہے اور جسم کے حرکات و سکنات میں سے کوئی بھی روح سے پوشیدہ نہیں، اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں ایک ذرّہ بھی پوشیدہ نہیں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں کوئی شئی روح سے زیادہ قریب نہیں ہے بلکہ روح ہی جسم میں ہر شئی کے قریب تر ہے۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی سے قریب ہے اور کوئی شئی بھی اس سے زیادہ قریب نہیں، یہاں قریب مسافت کا معنی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود تھی اور جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہیگی۔ اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ خلق کی پیدائش سے پہلے موجود تھا اور خلق کے نیست و نابود ہونے کے بعد بھی موجود رہے گا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ زوال سے پاک و منزّہ ہے

ساتویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کی کیفیت پہچانی نہیں جاتی، اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیفیت سے منزّہ ہے۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کی کوئی اینیت یعنی (مکانیت) جانی نہیں جاتی اس سے ہم جانتے ہیں اللہ تعالیٰ اینیت و کیفیت سے منزّہ ہے۔ لہٰذا ہم اس کو اَینَ و کَیفَ سے متصف نہیں کر سکتے بلکہ روح پورے جسم میں موجود ہے، جسم کا کوئی جزء اس سے خالی نہیں اس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہر مکان میں موجود ہے کوئی مکان اس سے خالی نہیں۔ اس کے باوجود وہ مکان و زمان سے منزّہ ہے

نویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کو نہ محسوس کر سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں اور نہ ٹٹول سکتے ہیں، اس سے ہم جانتے ہیں کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) حِس و مس و تجسس سے پاک ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کو نہ بصر سے ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی صورت میں متمثل ہوتی ہے۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ ابصار اللہ تعالیٰ کے ادراک سے قاصر ہیں، نہ اللہ تعالیٰ صور و آثار سے متمثل ہوتا ہے اور نہ چاند و سورج کے مانند ہے۔ اسکے مثل کوئی چیز نہیں ہے، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ یہی

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ
کا معنیٰ ہے۔ وہ شخص مبارک ہے جس نے
معرفت حاصل کی اور اپنے قصور کا اعتراف کیا
اس کلام کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی
ہے، وہ یہ کہ تم یہ جان لو کہ تمہارے نفس کی
صفات تمہارے پروردگار کی صفات کی ضد
ہیں جو شخص اپنے نفس کو عبودیت کو پہچانیگا
وہ اپنے پروردگار کو معبودیت کو پہچانے گا
جس شخص کو فنا سے اپنے نفس کا عرفان ہوگا وہ
اپنے پروردگار کا عرفان بقا سے حاصل کرے گا
وہ وفا اور عطا سے اپنے پروردگار کو پہچانے گا
جس نے اپنے نفس کو جیسا کہ وہ ہے پہچانا اس
نے اپنے رب کو جیسا کہ وہ ہے پہچانا۔
یہ بھی جان لو کہ جیسے تم ہو ویسی معرفت
تم کو حاصل نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جیسا
ہے اسکی معرفت کیونکر ممکن ہے، گویا مَن
عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ

سے قول میں محال کو محال پر معلّق کیا گیا ہے کیونکہ
اپنے نفس اور اسکی کیفیت، کمیت اور انیت
کی معرفت محال ہے۔ جب تم اپنے نفس کو جو
تمہارے پہلو میں ہے کیفیت، انیت اور شکل و
صورت سے متصف نہیں کر سکتے اور وہ دکھائی
بھی نہیں دیتا ہے تو کیونکر درست ہو سکتا
ہے کہ تم عبد ہوتے ہوئے ربوبیت کو کیف
و آین (کتنا اور کیسا) سے
متصف کر سکو۔ اور وہ کیف و
آین سے منزّہ ہے۔

حضرت قدس سرہٗ کی اس
بصیرت افروز تشریح پر مضمون،
اختتام پذیر ہے۔

وَمَا علینا الا البلاغ۔

دیوانِ علیؓ پر ایک نظر

از: افضل العلماء مولوی شاہ محمد انوار اللہ سرفاضی قادری نظامی ایم اے
استاذ دارالعلوم لطیفیہ و گورنمنٹ قاضی ضلع شمالی ارکاٹ حضرت مکان ویلور

حضرت علیؓ عبد المطلب کے پوتے ابو طالب کے فرزند اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، ساقی اور چوتھے خلیفہ اور داماد تھے۔

حضرت علیؓ نے بچپن سے کوئی شرک کام نہیں کیا۔ آپکی عظمت اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ آپ تقریبًا نو سال کی عمر ہی میں مشرف باسلام ہو گئے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی دوشنبہ کے دن نازل ہوئی اور میں سہ شنبہ کے دن مشرف باسلام ہوا اور آپ حضورؐ سے تقریبًا اکتیس برس کے چھوٹے تھے حضورؐ کی پرورش ابتداء میں عبد المطلب نے کی آپ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے والد محترم حضورؐ کے حقیقی چچا ابو طالب نے کی اور ہر وقت اور ہر جگہ آپکا بھرپور تعاون کیا حتیٰ کہ آپ کی شادی حضرت خدیجہ سے خود کرادی، حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ مشرف باسلام ہو چکی تھی جب آپ انتقال کر گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عبا کفن کیلئے دیا اور خود دفن فرمایا۔

حضرت علیؓ بچپن سے ہی نہایت ذکی، ہوشیار، دانا و بینا اور ہونہار تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارہ سر بلندی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ سے بڑی محبت تھی۔ آپ نے حضرت علیؓ کو ابو طالب سے چاہا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور خصوصیت کے ساتھ حضرت علیؓ کی تربیت کرتے رہے۔

آپ کی امانت و دیانت داری اور شجاعت روز روشن کی طرح اظہر تھی یہی وجہ ہے کہ حضور مقبولؐ نے جب ہجرت فرمائی تو لوگوں کی امانتیں آپکے حوالہ کیں اور آپ کو اپنے بستر پر لٹا کر تشریف لے گئے اور

آپ تین دن مکہ میں رہے امانتیں واپس کیں اور پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں فاطمہ کا حضرت علیؓ سے نکاح کر دوں۔ چنانچہ ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا نکاح اپنے خاص تربیت یافتہ جان نثار چچازاد بھائی حضرت علیؓ سے کر دیا اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ غزوات نبویؐ جیسے جنگِ بدر، جنگِ اُحد، جنگِ حُنین، جنگِ خندق میں حضرت علی نے اپنی بہادری و شجاعت کے جوہر دکھائے اور جنگِ خیبر میں تو آپ نے اپنی پوری سپہ گری اور شجاعت کا وہ بے مثال کمال دکھایا کہ جسکی بنا پر آپ کو "اسد اللہ الغالب" کا خطاب عطا فرمایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا کہ کل میں سرداری کا علم ایسے شخص کو دوں گا کہ اللہ تعالیٰ اسکے ہاتھوں پر خیبر کو فتح کریگا اور وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا اور رسول اسکو دوست رکھتے ہیں۔ پس لوگوں نے اس تشویش و تامل میں رات گذاری کہ دیکھیں آپ علم کس کو عطا فرماتے ہیں بوقت صبح ہر شخص اس اُمید میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ شاید آپ علم سرداری اسے عطا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ علی کہاں ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ انہیں آشوب چشم کی شکایت ہے آپ نے حضرت علی کو بلا بھیجا اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگا کر دعا فرمایا پس انکی آنکھیں ایسی درست ہو گئیں گویا ان میں کوئی شکایت نہ تھی۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

حضرت علی نے خیبر کا دروازہ اپنی پشت مبارک پر اٹھا لیا تھا اس دروازے پر سے تمام جماعتیں قلعہ میں داخل ہو گئے اور قلعہ فتح کر لیا پھر بعد میں چالیس مسلمانوں نے اس دروازے کو کھینچنا چاہا مگر وہ کھینچ نہ سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متعدد مقامات میں سرداری کا علم عطا فرمایا۔ ابن سعد نے حضرت حسن ابن زید ابن حسین سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے صغر سنی میں بھی بتوں کی پرستش نہیں کی اس وجہ سے آپ کو کرم اللہ وجہ کہا جاتا ہے آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں آپ کو عقد مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی کہا۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ علماء ربانیین میں سے

ہیں آپ زہد و تقویٰ اور تقریر و خطابت دونوں میں مشہور و معروف ہیں۔ جامعین قرآن میں آپ بھی شامل ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنایا اور بارگاہِ رسالت سے تصحیح و تصدیق حاصل کی۔ اور آپ کو ابو الاسود الدوالی ابو عبد الرحمٰن السلمی۔ عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ نے قرآن سنا کر سند تصدیق حاصل کی اور طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن کے تاری علی سے جُدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوضِ کوثر پر نہ پہنچ جائیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اسکا دروازہ ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں علم و حکمت کا گھر ہوں اور علیؓ اسکا دروازہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سید العالمین ہوں اور علی سید العرب ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے [illegible] سے بہتر بھائی علی ہیں اور سب سے بہتر چچا حمزہ ہیں اور علی کا ذکر عبادت ہے۔

صلح حدیبیہ میں معاہدہ آپ نے تحریر فرمایا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے رخصتی کے بعد تدوینِ قرآن کے عظیم ترین کام میں آپ شریک کار رہے اور حضرات خلفاء کے دورِ خلافت میں ہر طرح سے ان بزرگوں کے معاون و مددگار رہے جسکی مثال تاریخ اسلام میں کم یاب ہے۔ آپ ہی کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے ہجری کا آغاز کیا۔ آپ نے ۳۵ھ میں منصب خلافت سنبھالا اور بڑے حکیمانہ اور مدبرانہ شان کے ساتھ خلافت کی اگرچہ کہ بعض وجوہات کی بنا پر ایک دو افسوسناک جنگیں ہوئیں باوجود اسکے آپکا عہدِ خلافت حسنِ انتظام کیلئے مشہور ہے۔ آپکے عہد میں ایران، سندھ، افغانستان اور دوسرے مقامات پر اسلامی لشکر پہنچا اور ممالک فتح ہوئے۔ آپ نے مساجد اور قلعے تعمیر کروائے۔ بیت المال کو وسعت دی۔ قرآن و سنت کے احکام نافذ کیں۔ قاضیوں کی عدالتیں قائم کیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قاضی القضاۃ کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے اور آپ کے فیصلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا کرتے تھے حضرت علی کی حکیمانہ تدبیر سے پولیس کا محکمہ معرض وجود میں آیا اور فوج کو ایک بہتر تنظیم عطا ہوئی اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے چشمے اور نہریں بنوائیں۔ زراعت، جانوروں کی پرورش اور جنگلات کی حفاظت اور ترقی کا انتظام کیا اور خبر رسانی کیلئے بھی ہرکاروں کا معقول انتظام فرمایا۔ آپ کو بچپن ہی سے مطالعہ اور تحریر و تقریر اور انشاء پردازی کا بڑا شوق تھا قرآن پاک کے بے مثل حافظ تھے جسکی

تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی اور آپ فقیہ بھی تھے اور حدیث کے صرف معتمد راوی ہی نہیں بلکہ آپکی تحقیق نے راویوں کو تین قسموں میں منقسم کر دیا ہے۔ پہلی قسم مومن خاص دوسری قسم اعرابی تیسری قسم منافق کی ہے۔ جسکا نفاق ظاہر نہیں ہوا حضرت علی منفرد ممتاز عالم تھے۔ آپ نے اچھے خطوط، خطبات، فتوے اور فیصلے لکھے اور فن نحو کی ایجاد آپ ہی سے ہوئی۔ اور تقریباً سنہ ۱۰۲۰ء میں دو بھائیوں جن کا نام رضی اور مرتضی تھا آپکے فصیح و بلیغ خطبات کو جمع کرکے نہج البلاغہ نام رکھا اور آپکے نام سے ایک دیوان بھی مرتب کیا جو دیوان علی کہلاتا ہے۔ نہج البلاغہ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ آپکا کلام ہے کیونکہ یہ خطبات فصاحت و بلاغت صوری و معنوی خوبیوں کا ایک بحر ذخار ہے اور دیوان علی میں تقریباً چار سو اسی چھوٹی بڑی نظمیں مختلف موضوعات پر ہیں اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایک دوسرے کو تمیز کرتی ہیں کیونکہ دیوان علی بلند پایہ شاعری کا نمونہ نہیں ہے اور اسکے اشعار میں شعر و ادب کی کوئی خاص اور ممتاز خوبیاں بھی نہیں ہیں مختلف النوع مضامین پر زیادہ تر عجمی رنگ غالب ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ چند اشعار حضرت علی کے کہے ہوئے ہونگے اور باقی ان سے منسوب کر دئے گئے ہوں۔ لہٰذا دیوان علی کو در حقیقت المنسوب الی الامیر المومنین علی کہا جائے تو مناسب ہوگا۔

ملک عرب میں طلوع اسلام سے قبل جاہلیت میں بڑے فصیح و بلیغ شعراء گذرے ہیں جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر حد درجہ ناز تھا اور فخریہ انداز میں اشعار کہا کرتے اور اپنی فصیحانہ لسانیت پر انتہائی فخر تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعری انتہائی بلندی کو پہنچی ہوئی تھی۔ مثلاً سبع معلقہ دیوان متنبی، دیوان حماسہ مانند وغیرہ دنیائے عرب میں ادبی شاہکار کی حیثیت اختیار کر گئی تھیں اور شعراء کو اپنے اشعار کی شان اولاد کی سی ہو گئی تھی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ صدیاں بیت جانے کے باوجود آج بھی یونیورسٹیوں، عربی کالجوں وغیرہ کی نصابی کتابیں بن چکی ہیں اور انکی ادبی نظمی حیثیت مسلم ہے اور شاعر و شاعری کی عرب میں بڑی قدر و منزلت تھی لیکن نزول قرآن حکیم کے بعد اسکا بازار نہایت سرد ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حسان بن ثابت اور دیار نبوی کے دوسرے شعراء کی بدولت اسلامی شاعری وجود میں آئی اور قرون اولی کی طرح قرن ثانی میں بھی شعر و سخن کا ادبی ذوق عام رہا اور صحابہ رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شعر کہے اور پھر بنو امیہ کے دور خلافت میں قدیم شاعری کا رنگ نمایاں ہوتا

گیا حضرت علی کرم اللہ وجہ عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہؓ سے متعلق ہیں مگر دیوانِ علی کے اشعار اس دور کے رنگ کی نمائندگی بھی نہیں کرتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصوصی معلم اور مربی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور شجاعت مسلم ہے اور آپکے والد محترم ابو طالب بھی فصیح و بلیغ اشعار کہا کرتے تھے دیوانِ علی اگرچہ عربی ادب کی بلند پایۂ شاعری کا نمونہ نہیں ہے باوجود اسکے اس سے عربی شاعری اور نظم کا ذائقہ حاصل ہوتا ہے اور دیوانِ علی کے چار سو اسی (۴۸۰) مختلف نظمیں اور دلچسپ موضوعات سے ادبی استفادہ حاصل ہوتا ہے جو قابلِ قدر ہے۔

اسلام میں اجتماعیت اور مساوات

از: مولوی محمد رمضان القادری کلیانپوری فاضل جامع فاروقیہ بنارس (یوپی)
- مدرس دار العلوم لطیفیہ عربک کالج حضرت مکان ویلور -

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خاتم النبیین حضور پُر نور رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس نظام حیات کو لیکر کائنات ارضی میں رونق افروز ہوئے اس سے حسین نظام حیات آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا اور یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو بیک وقت روحانی، اخلاقی سماجی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی اور سیاسی سب کچھ ہے — انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اس نظامِ حیات کے دائرے سے باہر نہیں — اس روشن اور واضح حقیقت سے کوئی بھی شخص لاعلم نہیں ہیکہ انسانیت کا سب سے پہلا فرض اور اسکی سب سے بہتر خدمت یہی ہیکہ لوگوں کی اخلاقی تربیت کی جائے، انکی برائیوں کو دور کیا جائے اور انکے سامنے زندگی کا ایک مکمل نقشہ پیش کیا جائے جس پر چل کر انسان صحیح معنوں میں انسان کہلا سکے۔ اس مقصد کیلئے بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے طریقہ پر کام کئے ہیں — مگر اس قسم کے اصلاحی کام کرنیوالوں نے اصلاح کے کچھ گوشوں کو اپنے لئے مخصوص کر لیا اور پھر انہیں گوشوں میں جو وہ کر سکتے تھے انہوں نے کیا مثلاً کسی نے اخلاق اور روحانیت کو اپنا مرکز اصلاح بنایا، کسی نے تہذیب و تمدن کو سنوارنے کی کوشش کی اور کسی نے حکومت اور سیاست کو اپنا میدان بنایا۔

لیکن ایسے مصلحین جنھوں نے انسانیت کو مکمل طور سے سدھارنے کا فیصلہ کیا وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں! اس کائنات کے پیدا کرنیوالے کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہیکہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جو نبی سب کے آخر میں تشریف لائے اور سب کے سردار بن کر آئے — انکی تعلیمات نیز انکی زندگی کے حالات اس طرح قلمبند ہوئے کہ ایک طرف تو صحت کا ایسا نظام ہوا جو آج تک کسی تاریخی ریکارڈ کو میسر ہی نہ ہو سکا۔ اور دوسری طرف وسعت و تفصیل کا یہ حال کہ آپکی باتیں، آپکے کام، آپکے زندگی گذارنے کا ڈھنگ اٹھنا، بیٹھنا، انتہا یہ کہ کھانے، پینے، سونے، جاگنے

تک کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی ـــ اس مختصر سے مضمون میں ناچیز کیلئے یہ ممکن نہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مختلف گوشے آپکے سامنے لایا جاسکے زیر نظر مضمون میں اس بات کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت اور مساوات سے متعلق کیا تصور پیش فرمایا۔

اسلام میں جس چیز کی اہمیت زیادہ دی گئی ہے وہ اجتماعیت ہے۔ اسلام کی کسی بھی عبادت کا جائزہ لیا جائے تو وہ اپنے اندر اجتماعیت کا رنگ لئے ہوئے نظر آتی ہے ـــ نماز، روزہ، زکوٰۃ، عیدین اور حج ان جملہ عبادات کو ایک اجتماعی شکل ہی میں ادا کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ ان اجتماعات سے جہاں اور بہت سی مصلحتیں اسلام کے پیش نظر ہیں۔ وہاں اسلامی مساوات بھی دنیا کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔ نماز کو دیکھئے! امیر ہو، غریب ہو، بادشاہ ہو، رعایا ہو سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں ـــ سال بھر میں دو مرتبہ عیدین کے پُر بہار موسم میں پوری بستی کے لوگوں کو یکجا ہو کر نماز عید ادا کرنیکا حکم دیا گیا ہے تاکہ اجتماعیت و مساوات کا احسن طریقہ سے مظاہرہ کیا جاسکے اسی طرح حج کیلئے بھی مساوات و اجتماعیت کا مظاہرہ کرنے کیلئے ایک مرکزی مقام پر ادا کرنیکا حکم دیا گیا ہے یہی نہیں بلکہ لباس میں بھی یکسانیت کی تلقین کی گئی ہے۔

آج بھی مساوات کا یہ تحفۂ نایاب دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جب بھی یہ حسین منظر نگاہوں کے سامنے آئے گا تو وہ نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے آئینے میں آسکتا ہے۔

روزہ اور زکوٰۃ کے بھی مساوات کے آئینے کا ایک عکس ہے کہ اگر کوئی غریب مفلوک الحال بیکس و بے بس زندگی کی راہوں سے ہمکنار ہے تو امیر بھی اسی کیفیت سے دوچار ہے ـــ نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حکمران طبقہ کو عامۃ المسلمین سے کچھ بھی زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے بلکہ قانون کی نظر میں سب کو مساوات کا عملی جامہ پہننے کی تعلیم و ترغیب دی گئی ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی شخصیت کو ان قوانین سے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ۔

لا فضل لعربی علی العجمی ولا لعجمی علی العربی الناس کلھم من آدم وآدم من التراب (ترجمہ)

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی پر
سارے انسان آدم علیہ السلام سے ہیں اور سیدنا
آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں۔

قرآن پاک میں پروردگارِ عالم نے کل مسلمانوں
کو بھائی بھائی قرار دیا ہے چنانچہ آیت کریمہ شاہد
ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ تمام مسلمان بھائی
بھائی ہیں۔ اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ المسلم اخو المسلم مسلمان مسلمان
کا بھائی ہے اسلام نے ہر قسم کے نسبی فخر اور خاندانی
شرافت کو مٹا دیا جو انسان نے باہمی مساوات میں ڈال
رکھا تھا اور بزرگی کا مصداق صرف تقویٰ قرار دیا
تاکہ اتفاق واتحاد کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے چنانچہ
ارشادِ ربی ہے۔ یا ایھا الناس انا خلقنکم
من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل
لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (ترجمہ)
اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا
کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان
رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا
وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (کنز الایمان)

سورۂ نساء میں ہے۔ وما کان لمؤمن
ان یقتل مؤمنا الا خطاءً۔ اور مسلمان
کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک
کر (کنز الایمان) اس طرح سے اور کئی آیت کریمہ ہیں
جس میں پروردگارِ عالم نے مسلمانوں کو باہمی تعلقات
اور مساوات کی پابندی کی ہدایت فرمائی ہے۔

ابھی ابھی میں نے چند سطریں اوپر تحریر کی جبکہ پیغمبر
اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی شخصیت کو باہمی
تعلقات و مساوات سے مستثنیٰ نہ فرمایا اور یہ باتیں
صرف کہنے ہی کی حد تک محدود نہیں بلکہ اس پر عمل
بھی کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے
ہیں کہ جب سخت لڑائی ہوتی تھی تو جہاں بڑے بڑے
بہادر اور میدانِ کارزار کے شہسوار بھاگ
نکلتے تھے تو آپ ثابت قدم رہتے تھے اور ہم لوگ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جا کر پناہ لیتے تھے
دشمنوں سے زیادہ تر قریب آپ ہی ہوتے تھے۔

دشمنانِ اسلام کی وجہ سے مدینے میں ایک رات لوگ
خوف و دہشت سے پریشان تھے ایسی صورتِ
حال میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود
گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر شہر کا چکر
لگایا اور واپس لوٹ کر اطمینان دلایا کہ کوئی خطرہ
نہیں ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کئی دیوانی مقدمات جن میں آپ کے
عزیز ترین ملوث تھے انکے خلاف فیصلے سنائے۔
اس امر کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ عرب کے

ایک بار فاطمہ جلیلی کی ایک سزا منسوخ کرانے یا اس میں کچھ تخفیف کرانے کیلئے جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نہایت چہیتے خادم حضرت اُسامہ سے بارگاہِ رسالت میں سفارش کرائی گئی تو حضورؐ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر میری لاڈلی بیٹی فاطمہ بھی اس جرم کا ارتکاب کرتی تو میں معاف نہ کرتا قانون کی نظر میں عام خاص امیر غریب سب برابر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی کا کیا کہنا جبکہ پروردگارِ عالم جل شانہٗ وعز اسمہ نے ارشاد فرمایا کہ واما السّائل فلا تنھر۔ اے رسول اپنے درِ پاک سے کسی کو محروم نہ فرمایئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی سائل کو اپنے دروازے سے جھڑک کر بھگایا نہیں۔ آپؐ بہت سخی تھے خصوصاً رمضان المبارک کے پربہار اور مقدس مہینہ میں آپکی سخاوت بڑھ جاتی تھی اور آپ نبوت سے پہلے بھی اس وصف میں ممتاز تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو اپنی بکریوں کا پورا گلہ بخش دیا کئی آدمیوں کو سو سو اُونٹ دے دئے اور بعد نبوت تو مال کو اپنے گھر رکھنا بھی پسند نہیں فرماتے جو کچھ آتا شام تک ختم کر دیتے تھے۔ ایک بار نوّے ہزار درہم آئے چٹائی پر رکھے گئے جو سائل آتا اس کو عطا فرما دیتے۔ یہاں تک کہ سب ختم ہو گئے پھر ایک شخص آیا آپ نے فرمایا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ لیکن میرے نام سے کچھ قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ درمیان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ نے مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے آپ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا دورانِ گفتگو ایک انصاری عورت نے کہا یا رسول اللہ آپ خرچ کیجئے اللہ کی مہربانی ہے تو کس چیز کی کمی ہے۔ یہ سن کر خوش ہو گئے۔ اور فرمایا کہ ہاں مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں۔
دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے بارے میں بدلہ نہیں لیا ہاں کوئی دینی معاملات میں غلطی کرتا تو آپ اُسے سزا دیتے۔

مساوات کے نتیجہ میں عورتوں کو وہ حقوق ملے جن کے متعلق وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ذرا آپ آج سے چودہ سو برس پیچھے پلٹ کر دیکھئے کہ اس بیچاری صنفِ نازک کے بارے میں لوگوں نے کیا کیا نظریات و تصورات پیش کئے ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں اس رنج والم کی داستانیں آج بھی موجود ہیں۔ چنانچہ چین میں یہ دستور تھا کہ جب وہاں شادی ہوتی تو نکاح کے بعد لڑکی کا باپ لڑکی پر ایک ریشمی کوڑا برساتا پھر

وہ تازیانہ ہدایت اپنے داماد کے سپرد کر دیتا اور کہتا کہ تم بھی یہی کام لیتے رہنا پھر ایک رسمی تقریر کر کے کہتا کہ میں نے رحم و کرم کر کے اس کی پرورش کی ہے لیکن تم اس کے فریب میں نہ آنا عرب تو عورت کو ایک بارگراں تصور کرتے تھے اور اسکے وجود کو بدشگونی سمجھتے تھے۔ جیسے ہی لڑکی پیدا ہوئی زندہ ہی درگور کر دیا جاتا تھا شائد اسی کے مٹتے ہوئے آثار ہیں کہ آج بھی کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو بڑی کوفت اور بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ شام اور فلسطین نے عورت پر مظالم ڈھانے میں کوئی کمی نہیں کی چنانچہ سنہ ۱۴۵ء سے سنہ ۱۷۵ء تک ۹ لاکھ عورتیں ذبح کی گئیں اسی طرح عورت سے متعلق ہر دور میں لوگوں کے افکار و آراء بھی مختلف عجیب و غریب رہے ہیں۔ کسی کا نظریہ تھا کہ عورت ایک موذی جانور ہے تو کسی کا کہنا تھا کہ عورت باغ انسانیت کا کانٹا ہے کسی کا کچھ تو کسی کا کچھ۔ مشرق میں مرد کے دامن کا داغ سمجھی جاتی تھی، تو روما اسے صرف گھر کا اثاثہ سمجھتا تھا۔ یونان اسے گھر کا شیطان کہہ کر نوازتا تھا سقراط نے اسے فتنہ و فساد کا جڑ کہہ رکھا تھا تو ویڈرو (wedore) نے صرف اسے جسمانی لذت حاصل کرنیکا ذریعہ بتلایا۔ پولوس کا کہنا تھا کہ آدم علیہ السلام نہیں بہکے، عورت نے بہکایا گوتم بدھ نے کہا کہ دنیا میں تمام چیزوں میں خراب چیز عورت ہے، مشہور فلاسفر ہارڈنگ کا قول ہے کہ عورت ایک خوفناک اژدھے کے مانند ہے جسکا مقابلہ آسان نہیں اگر ہم دس برس تک غور کرتے رہیں پھر بھی وہ عیاریاں ہمارے ذہن و دماغ میں نہیں آسکتیں۔ جو عورت ایک لمحہ میں سوچ سکتی ہے یقین کیساتھ کہتا ہوں کہ عورت ایک جال ہے اور ایک پھول ہے جو دیکھنے میں خوشنما لیکن اس میں بے شمار کانٹے ہیں۔

غرض تاریخ کے کسی حصہ میں اس صنف نازک کا نہ کوئی مونس و غمخوار تھا نہ کوئی دردآشنا و مددگار زندگی کے ہر مرحلے میں عورت مرد کی محکوم اور دست نگر تھی اس کو اپنے املاک پر بھی کوئی اختیار نہ تھا الغرض نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس کی کوئی عزت نہ تھی اور یہ حقیقت ہے کہ نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر اسے کوئی وقار نہیں مل سکتا۔ دنیا کا یہ پہلا نظام حیات ہے جس نے عورتوں کے درجہ کو بلند کیا، انکی عزت و عظمت کو آگے بڑھایا۔ انکے حقوق متعین کئے۔ انہیں ورثے کا مستحق ٹھہرایا۔ سنگ دلوں میں انکے لئے پیار و محبت کا چراغ روشن کیا۔ لطف و مہربانی کے بیج بوئے اور ان کو شوہر کا محکوم بنانے کے بجائے شریک زندگی اور رفیقہ حیات بنایا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

ھن لباس لکم و انتم لباس لھن

عورتیں مردوں کے لباس اور مرد عورتوں کے لباس ہیں۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں کہ:

ہم لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کیلئے احکام نافذ کئے اور انکے حقوق مقرر کئے۔

اسلامی حکومت میں عدل و انصاف کے بارے میں ایک ڈاکٹر جیسکا نام گستاباؤلی ہے لکھتا ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کیلئے تھا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہ نفس نفیس خود عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے اور اس شخص پر دعویٰ دائر کیا جس نے آپکی ذرہ چرائی تھی۔

جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے مکہ آیا تو اتفاقاً ایک اعرابی اُسے نادانستہ دھکا دیا اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر مارا۔ اعرابی نے حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اس شکایت پر حضرت عمر فاروق نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے اس پر بادشاہ نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا یہی قانون ہے ۔۔ اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے اور نہ ذات پات کی، ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب برابر تھے اور انکے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہینگی (تمدن عرب) سیدنا حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت کی عدالت صحیح معنوں میں عدالت رہی۔ انکی حکومت کیطرح نہ آج کسی کی حکومت ہے اور نہ ان کا عدل و انصاف و مساوات ہے۔

اپنے دورِ حکومت میں جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس جانیکا ارادہ فرمایا تو آپکے پاس مزید سواری کا انتظام نہ تھا۔ صرف ایک اونٹ تھا اس اونٹ سے آپکا بہت سا کام نکلتا تھا۔ آپ اپنے غلام کے ساتھ بیت المقدس جانیکا ارادہ کرتے ہیں۔ باری باری اونٹ پر سوار ہونیکا تصفیہ ہوا لیکن عجیب اتفاق ہے کہ جب شہر بیت المقدس میں داخل ہونیکا وقت قریب آیا تو غلام کی باری تھی۔ غلام نے بعد اصرار اصرار کیا کہ یا امیر المومنین شہر قریب ہے آپ سوار ہو جائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارا حق ہے لہٰذا تم سوار ہو، بہر کیف غلام اونٹ پر سوار ہوا اور حضرت عمر فاروق رضؓ اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے شہر میں داخل ہوئے جبکہ اہل شہر نہایت ہی تزک و احتشام کیساتھ خلیفہ وقت کے استقبال کیلئے کھڑے تھے۔ حضرت عمر باوجود خلیفہ ہونیکے اسلامی مساوات کا مظاہرہ کتنے حسین انداز میں فرمایا اسکی مثال ملنی مشکل ہے۔ نظام مصطفیٰ

میں مساوات کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عملی طور پر مساوات کا نقشہ نظر آتا ہے۔

قبا کے قیام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھا۔ آپ نے اپنے دستِ اقدس سے اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور دوسرے صحابہ کے ساتھ مل کر خود اس مسجد کی تعمیر کی اور ساری دنیا کے سامنے مساوات کا وہ عملی نمونہ پیش کیا کہ قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

غزوۂ خندق کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودی اور دس دس گز زمین دس دس آدمیوں کے حوالے کر دی گئی۔ خندق پانچ گز گہری کھودی گئی۔ بلیسؔ دن کے اندر تین ہزار صحابہ کرام نے یہ خندق تیار کی، خندق کی کھدائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کے ساتھ بنفس نفیس مصروف عمل رہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر اتفاق سے ایک سخت چٹان آگئی جو کسی طرح سے ٹوٹنے میں نہ آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ اس مقام پر تشریف لائے اور کدال ایسا مارا کہ ساری چٹان چور چور ہو گئی۔ اس موقع پر آپ نے صرف دوسروں کو خندق کھدائی کا حکم دینا کافی نہ سمجھا بلکہ انکے ساتھ عملی طور پر شریک رہ کر بتا دیا کہ مساوات کیا چیز ہے۔

غرض اسلام میں اجتماعیت اور مساوات کا جو تصور ہے اسکی نظیر کسی نظام حیات میں موجود نہیں ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

از ادارہ

خوارق حیدریہؒ

حضرت شاہ حیدر ولی اللہ ثمرہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت سید شاہ کریم اللہ قادری علیہ الرحمہ کے دو خارقہ ترجمہ کے ساتھ حاضر ہے جس میں اپنے مریدوں کی تربیت و اصلاح کا تذکرہ ہے۔

خارقہ ہژدہم! از معتقدان آں سرور شخصے بود شائستہ و دانا دلی اسم با مسمیٰ از بسیار از بسیار روز خدمت آنسرور کردے باُمید آنکہ در سلک طالبان و مستفیدان آنحضرت جمع شدہ بہرہ از گنج خانہ کنت کنزاً مخفیاً حاصل کند بہ امید ایں مدتے بسیار بقدر وسیع و طاقت خویش در ادای خدمت و تقدیم اطاعت آنسرور نہادن و تکاسل روا نداشتے ناگاہ از قضای ربانی ہنگام سربلندی و وقت سرفرازی رسید در مجلسے از مجلسہائے خود او را خواندہ چنیں فرمود کہ

اٹھارواں خارقہ: آنسرور کے معتقدوں میں سے ایک دلی نامی معتقد مہذب و مودب اور دانا تھا جو کئی دنوں سے آپ کی خدمت کیا کرتا تھا اس اُمید سے کہ آپ کے طالبوں اور مستفیدوں میں شامل ہو کر کنت کنزاً مخفیا کے خزانہ سے کچھ حاصل کر سکے اسی امید پر ایک زمانے تک حضرت کی خدمت میں حتی المقدور آپ کا مطیع و خدمت گزار رہا۔ اچانک اس کی سربلندی و سرفرازی کا وقت بحکم خدا آن پہنچا آپ نے ایک مجلس میں اس کو بلا کر فرمایا کہ اے فلاں تو ایک زمانے سے ہماری صحبت میں ہے اور ہماری

اے فلاں از مدتے در صحبت ما بودی طرفہائے
مقبولانہ بہ تقدیم رسانیدی و داعیہ تمام من
اولہ و آخرہ انداختی کہ در سلک طالبان و
خادمان جمع شدہ از بادۂ معرفت حق حاصل
وقت کند اکنوں بیشتر بیا و چشم باز کن و
در ما بہ بیں چیزے کہ تو طالب او ہستی
ذات ما را شامل است یا نے چوں طالب
معلوم بمجرد امر بسوئے آنحضرت تیز نگاہ
کردن گرفت بمجرد نگاہ بیخود و بے ہوش
بر زمین افتاد چنانچہ از خودی ہیچ اثرے
نماندہ بود بعد ازاں آنسرور برخاستہ
نزدیک قالب بے جان آمدہ با انگشت
مبارک طعن در پہلوی او زد کہ ای فلاں
برخیز کہ ہنوز تو خادمی اتفاقا بمجرد اشارت
بجنبید و برپا داشت و مستانہ بہر طرف
نگاہ کردن گرفت باز نظر بر جبہ مبارک
شاہ افتاد بمجرد نظر ہمچوں متوالان مست و
بیخود بر زمین بغلطید باز آنسرور بر بالین
آمدہ ہمچناں از بطن انگشت مبارک
او را ہوشیار کرد و حکم فرمود کہ او را
بخانہ او ببرند کہ بیش ازیں تاب طاقت
رویت ما ندارد و شنیدہ شد کہ آن
بیچارہ سہ روز از طلعت آں سرور

خدمت تندہی سے کرتے آرہا ہے۔ شروع
سے تو ایک آرزو لئے ہوئے ہمارے طالبوں اور
خادموں میں رہ کر معرفت حق کا کچھ حصہ حاصل کرنا
چاہتا ہے۔ اب قریب آجا اور اپنی آنکھیں
کھول اور ہماری طرف دیکھ تو جو چیز چاہتا
ہے ہماری ذات سے منسلک ہے۔ آپ
کے حکم سے اس طالب حق نے آپ کی جانب
تیز نگاہ کی صرف ایک بار دیکھتے ہی بے خود
بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا چنانچہ اس
میں کوئی حس باقی نہ رہی اس کے بعد آنسرور
اٹھے اور اس کے بے جان جسم کے پاس آئے
اور اپنی انگشت مبارک سے اس کے پہلو کو
حرکت دی کہ اے فلاں اٹھ ابھی تو میرا
خادم ہی ہے۔ اس ایک اشارے سے اس
میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کھڑا ہو گیا
اور مستانہ وار ہر طرف دیکھنے لگا اس کے
بعد شاہ کے چہرۂ مبارک پر اس کی نظر
پڑی تو پھر اسی طرح زمین پر گر پڑا آپ اس
کے سرہانے آئے۔ اپنی انگشت مبارک سے اسے
ہوشیار فرمایا۔ اور حکم دیا کہ اس کو گھر
لے جائیں اس میں ہمارے دیدار کی تاب طاقت
نہیں ہے

سنا گیا کہ وہ بے چارہ جب کبھی

کہ در نظرش تجلی کردہ بود ہرگاہ کہ
بیادش آمدے ہمچناں مست ولا یعقل
افتادے۔ اے عزیز از خوارق آنصاحب
الدنیا والدین عجیبہ دیگر گوش کن خارقہ
نوازدھم = بعد از چند روز آنسرور
آن طالب ولی نام را لائق دیدہ باشغال و
اذکار رھنمونی کردے و اورا در خدمت خود
داشتہ عمل طریقت ازو گرفتے و بانقیاد
اوامر و احتراز نواہی برغبت میخودے ناگاہ
از قضای ربانی امرے از امرھائے
دورانی چناں پیش آمد کہ صحبت آنسرور
جدای رو بداد و بدھے کہ از آنجا بمسافت
چند فرسنگ بود روانہ شد ناگاہ در اثنائے
مستی طریق دراں بادیہ زنے دید جوان سال
وفاحشہ یافت در مرتبہ کمال چوں ہر دو
باہم دوچار شدند ہر دو را فعل شیطانی
وہوائے نفسانی غالب آمد پس بقضائے
شہوت ہر دو در گوشہ پنہاں شدہ
در لمس و شہوت مشغول شدند
دریں میاں بہ پائی آبو سر زانو
آمدہ نزدیک بود کہ دخول کند ناگاہ یکایک
دید کہ از پیش او نقش شاہ شاہاں
ہادی گمراہاں از ہیبت تمام سلامت

آنسرور کے رُخِ تاباں کی تجلیات کو یاد کرلیتا
جو اس کی نگاہوں کو منجلی اور منور کردی تھیں
تو اسی وقت مست اور مدہوش ہو کر
گر جاتا۔ اے عزیز اس شاہِ دین و دنیا
کی ایک اور عجیب و غریب کرامت بھی سن لے
انیسواں خارقہ: چند دنوں کے بعد
آں سرور نے اس ولی نامی طالب کو لائق پاکر
اشغال و افکار کی تلقین و ہدایت کی اور اس کو خود
اپنے پاس رکھ کر اعمالِ طریقت سکھاتے رہے
اوامر کو بجالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے
کی رغبت دیتے رہے حوائج زمانہ کے تحت
اچانک اس کو آپ کی صحبت سے جدا ہونا
پڑا اور وہ خادم ایک قریہ کی طرف روانہ ہوا
جو اپنے مقام سے چند فرسنگ کی مسافت پر
تھا اچانک اثنائے راہ ایک بادیہ میں ایک
عورت کو دیکھا جو نوجوان اور فاحشہ تھی ایک
دوسرے سے پہچان ہوگئی اور باہم ربط و ضبط
قائم ہوا تو دونوں کے دل میں فعلِ شیطانی
وہوائے نفسانی غالب ہوئی اور دونوں اپنی
ہوس مٹانے کے لئے ایک گوشے میں چلا گئے
اور بوس و کنار میں مصروف ہوگئے اور قریب
تھا کہ دخول کرے یکایک خادم نے دیکھا کہ
اس کے چہرہ کے سامنے شاہ شاہاں ہادئ گمراہاں

پیدا شد اے گرفتار نفس امارہ برخیز
زود جدا شو مگر ترس و حیای از حق تعالیٰ
نمیداری کہ چنیں گستاخانہ قدم برین
امر قبیح نہادہ تف برین فعل شیطانی و
امر نفسانی تو چوں آں بیچارہ احوال
معائنہ نمودہ از روئے ترس و ہیبت و حیا
برخاستہ در ستر عورت خود مشغول شد
بعد از ستر عورت فارغ شدہ نگاہ کرد آں
سرور را از چشم خود غائب یافت. ترساں
ولرزاں و عرق از رخسارہ ریزان بے
ادخال و انزال آں فاحشہ را از عذر خواہی
وداع نمود و ہمو لتر ماں از میاں راہ چوں
خدمت آں سرور شد روز دیگر خود را در ملازمت
آنحضرت رسانید شرمندہ و لرزاندہ سجدہ
بتقدیم رسانید بمجرد رسیدن او آنحضرت
شروع نمود کہ اے فلاں اگر ما ترا مانع نشدیم
واز خود در آنجا رسیدہ ملامت نمیکردیم
پس وائے حال تو اکنوں توبہ کن و راہ استغفار
پیش گیر کہ خدا غفور رحیم است شنیدہ
شنیدہ شد کہ آں طالب مجرد
لحظی را از ہیبت از امروز بکلی شہوت
منقطع شدہ مدتے از کار رفتہ بود پس
لاعلاج ایں راز بما در ضعیفت خود

پوری ہیبت کے ساتھ ملامت کرتے ہوئے
نمودار ہو گئے ہیں زبان حال سے یہ کہتے ہوئے
تھے کہ اے گرفتار نفس امارہ اٹھ اور اس برے
کام سے باز آ۔ کیا تو دل میں حیا و خوف خدا
نہیں رکھتا ہے افسوس ہے تیرے اس فعل
شیطانی و امر نفسانی پر۔ جب وہ بیچارہ
خوف و ہراساں شرم و حیا کے ساتھ اٹھا اور
اپنی ستر پوشی میں مشغول ہوا ستر پوشی سے فارغ
ہو کر دیکھا تو شاہ کو اپنی نگاہوں کے سامنے
نہیں پایا لرزاں و ترساں پسینہ پسینہ ہو کر بغیر
ادخال و انزال کے اس فاحشہ سے عذر خواہی
کرتے ہوئے اس کو وداع کرتے ہوئے اس کو
وداع کیا، اسی وقت وہاں سے نکل کر آپ
سرور کی بارگاہ کی طرف چلا۔ دوسرے روز
آنحضرت کی بارگاہ میں پہنچا تو شرمسار و لرزاں ہو
کر سجدۂ قدوم بجالایا اس کے آتے ہی آنحضرت
نے گفتگو شروع کی فرمایا اے فلاں اگر ہم تمھیں
اس فعل قبیح سے نہ روکتے اور ملامت نہ
کرتے تو آج تمہاری زندگی پر افسوس ہوتا
اب توبہ کرو اور طلب مغفرت کی راہ اختیار
کرو خدا غفور و رحیم ہے۔

سنا گیا ہے کہ اس طالب مجرم کو
ہیبت کی وجہ سے اس روز سے پوری طرح قوت باہ

درمیاں نہاد آں ضعیفہ از استماع ایں واقعہ دلتنگ شدہ خود را در درگاہ عالی آنسرور رسانید زبان تمنّا چناں برکشاد کہ اے شیر فحول فلان راہ معرفت فحلیت فرزند گناہ گار ایں ضعیفہ را بازدہ و اورا از ردی زن شرمسار مکن آخر تمنّا و درخواست آں عاجزہ مقبول خاطر عاطر حضرت افتاد روزے آنسرور در مجلسے نشستہ تنبول می خورد قدرے پس خوردۂ خود بلعاب دہن آلودہ از دہن مبارک کشیدہ بخادم معلوم داد کہ ایں را فرو بہر بقیۃ العمر از نفسانی شہوت ایمن باشی۔

میں کمزوری آگئی ایک مدّت تک وہ اسی طرح لاعلاج زندگی گزارتا رہا ایک دن اس راز کو اپنی مادر ضعیف کے سامنے بیان کیا تو وہ بوڑھی اس دلگیر واقعہ کو سُن کر آنسرور کی بارگاہ میں گئیں اور زبانِ تمنّا سے یوں فریاد کی!

اے راہ معرفت کے نرشیروں کے شیر ببر سے گنہگار فرزند کی مردانگی کو واپس فرما دیجئے اور اسے بیوی کے سامنے شرمسار نہ کیجئے آخرکار اس ضعیفہ کی درخواست نے حضرت کے دل مبارک کو متاثر کیا تو ایک روز حضرت اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے پان کھا رہے تھے۔ تھوڑا چبایا ہوا لعاب آلود پان اس خادم کو دے دیا اور فرمایا اس کو چبا لے تاکہ تو ساری عمر نفسانی شہوت سے بے خوف رہ سکے۔

اذانِ ثانی اور سلفِ صالحین

مولانا مولوی حکیم سید افسر پاشاہ صاحب افسر
شفا ڈسپنسری گڑیاتم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ۔ اما بعد

ابھی حال کی بات ہے ادھر کے مشہور عربی مدرسہ کے ایک ذہین استاد جو صاحبِ قلم بھی ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ چند دنوں سے میرے وطن میں ایک نیا مسئلہ اُبھر آیا ہے اور وہ بھی حضراتِ مقلدین کے ایک مخصوص طبقے سے وجود میں آیا ہے جو یقیناً فتنہ کی شکل اختیار کر لیا ہے۔ وہ یہ کہ جمعہ کے دن خطیب جب منبر پر بیٹھتا ہے تو اس وقت اس کے رُو برو دی جانے والی اذانِ ثانی، یہ اب رو برو میں نہیں بلکہ دُور اور داخلِ مسجد بھی نہیں بلکہ خارجِ مسجد اور وہ بھی بابِ مسجد پر دی جانی چاہیے یہی مسنون طریقہ بھی ہے اور مامور بہا بھی۔ اس سلسلے میں

میں علمائے اہل سنّت وجماعت کا صحیح موقف اور راجح نظریہ کیا ہے؟ مجھے اس کی تفصیل درکار ہے۔

عنوان کی اہمیت اور سائل کی شخصیت کے پیش نظر اپنی بساط کے مطابق کچھ عرض کر دینا ضروری جانا اس لئے حسبۃً للّٰہ کتاب وسنّت کا مفاہیم اجماع امت سے منقول ومعمول مسلک پر کسی قدر تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس سے میرا روئے سخن حضرات اہل حدیث یا غیر مقلدین سے نہیں ہے، بلکہ مقلدین کے اس خاص طبقے سے ہے جو اس سے اختلاف رائے رکھتا ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔

تمہید

یہ مسلمات سے ہے کہ قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے اور حدیث بھی دراصل قرآن کی تفسیر ہے سمجھنے کے لئے بھی ہر عالم کی سمجھ بوجھ کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس کے لئے بھی ایک مخصوص طبقہ کی ضرورت ہے اور وہ مخصوص طبقہ بھی ہمارا اپنا سوچا سمجھا اس دور کا طبقہ نہیں ہے۔ بلکہ خیر القرون کا وہ خاص طبقہ ہی مراد ہے جو قیامِ ملت کے تحت عالم وجود میں منصۂ شہود پہ جلوہ افروز ہوا ہے۔

شروع سے عادت اللہ یہی جاری ہے کہ جب "لفظ قرآن" اور "رسم قرآن" کی حفاظت مقصود تھی تو اللہ نے قراء کی ایک جماعت کھڑا کی۔ اس نے اس کے ایک ایک حرف، ایک ایک حرکت لفظ وجملہ، نقطہ اور نقوش، وصل ووقف، مد واسکان، ادغام واظہار، اخفاء واقلاب وغیرہ ہر حرف کی صفات کی ذمہ داری لی۔ پھر جب "الفاظ قرآن" کی بات آئی تو اس کے لئے ص بھی حضرات مفسرین کو پیدا کیا۔ جنہوں نے قرآن کے معانی ومطالب کا حق ادا کیا۔ اور جب "الفاظ رسول" کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے لئے بھی محدثین کرام کو جنم دیا اور انہوں نے اس کی کماحقہ حفاظت فرمائی اور ایسی حفاظت کی کہ جس کی نظیر وتمثیل دنیا کی تاریخ میں نایاب ہے اور پھر خطاب رسول کی سمجھ بوجھ کے لئے ایک مخصوص طبقہ پیدا کیا جس نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "الفقہاء وھم اعلمون بمعانی الحدیث" (فقہا کی یہ جماعت ہی ایسی جماعت ہے جس نے الفاظ رسول کی اصل حقیقت کو سمجھا) پھر فقہا کی اس جماعت پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا یہ فیصلہ بھی ایک حقیقت بین فیصلہ ہے اور جس پر دنیائے اسلام کی مہر تصدیق بھی ثبت ہو چکی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"بالجملہ ایں چہار امام اند کہ علم ایشاں احاطہ کردہ است۔
امام ابو حنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد" (شرح مؤطا ص ۶۶)

یعنی یہ چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے

ص ہر زمانے میں حفاظ کرام کی خاص جماعت تیار ہوتی اور ہو رہی ہے اور جب معانی قرآن کی حفاظت مقصود تھی تو

عالم کے علم کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ چار امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں۔

مجھے اس تمہیدی گفتگو سے یہ عرض کرنا ہے کہ ایک مقلد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے امام کی ہر ممکن تقلید کرے اور ہر مسئلہ میں اس کی پیروی اور اتباع کو ضروری جانے۔ جس طرح آیاتِ قرآنی ذو معنی اور کثیر المطالب ہوتی ہیں اسی طرح احادیثِ رسولؐ بھی بسا اوقات ذو معنی ہوتے ہیں اور ان کو سمجھنا ہر عالم کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی اللہ نے ایک مخصوص جماعت فقہا کی پیدا کردی ہے اور وہی اصل میں منشائے رسولؐ معانی رسولؐ مطالب و مفاہیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تفہیم و تحقیق کی تہ کو پہنچنے والی جماعت ہے۔ ورنہ صحیح احادیث کا ایک

بڑا ذخیرہ ایسا بھی ہے جو متضادات اور مختلفات پر منحصر ہے اور یہ اہلِ علم سے مخفی بھی نہیں ہے۔....

چنانچہ احادیث میں آمین بالجہر بھی موجود اور آمین بالسر بھی موجود۔ قراءت فاتحہ خلف الامام بھی موجود اور اس کے خلاف بھی موجود۔ رفع یدین بھی آیا ہے اور اس کے خلاف بھی آیا ہے اور سب کے سب صحیح احادیث ثقہ اور متواتر ہیں مگر ہر ایک میں جرح و تعدیل تطبیق و تاویل اور ترجیح کا کام۔ بصورت اور صرف اس مخصوص جماعت فقہاؒ کا کام ہے جسے اللہ نے منتخب کر لیا اور اسی کام کے لئے چن لیا۔

تو اس سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مقلد کے لئے فقہا کا قول ہی حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ فقہا کا قول بھی درحقیقت منشائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے اور گویا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا یہ ایک مفہوم خیز فتویٰ ہے۔ اس سے کوئی الگ رائے نہیں ہے۔

اجماع

تمام اہلِ حق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام شرعیہ کا استنباط چار ادلّہ سے ہوتا ہے۔

(۱) کتاب اللہ
(۲) سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) اجماعِ اُمتِ مرحومہ
(۴) اور قیاس مجتہدینؒ

پھر ان چاروں میں سے سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا مرتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔ نصِّ قرآنی سے جو حکم صادر ہو دوسری طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اخبار آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی کو جائز قرار نہیں دیتے خبر واحد کے راوی گو ثقہ، عادل اور ضابط ہی مگر اس کے اندر تواتر کا سا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر اس پر عمل کیا تو اس کا مطلب ہوا کہ قوی دلیل

چھوڑ کر ضعیف دلیل کا سہارا لیا۔ جسے کوئی بھی سلیم الفطرت
تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس کے اندر غلطی کا احتمال
ہے۔ اس مسئلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد و خوشہ چین ہیں۔
فاطمہ بنتِ قیس کے مشہور واقعہ میں
حضرت فاروقِ اعظم کا یہی فیصلہ تھا کہ لا ندع
کتاب اللہ بقول امرأۃٍ صدقتْ ام کذبتْ
یعنی ہم ایک عورت کے قول کے باعث کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے
کیا خبر کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی۔ حالانکہ وہ حدیثِ
رسولؐ بیان کر رہی تھیں۔

کیا اس واقعے سے حضرت عمر فاروقؓ پر
یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حدیث رسول صلی
اللہ علیہ وسلم پر توجہ نہ دی۔ حاشا وکلا ۔ یہ
جانثارانِ رسولؐ کے حق میں سوہانِ روح ہے۔ بات
دراصل یہ تھی کہ فاروقِ اعظمؓ کو خود اس میں تردد تھا
اور یہ شبہ تھا کہ یہ حدیثِ رسولؐ بھی ہے یا نہیں؟
ورنہ حدیثِ رسولؐ معلوم ہونے کے بعد سرمو تجاوز
نہ کرتے۔

غرض سیدنا الامام ابو حنیفۃ النعمانؒ
بھی انھیں کے پیروکار اور مقلد ہیں۔ حضرت فاروقِ
اعظمؓ نے جو گر سکھایا امام اعظمؒ نے اس کو بسر و چشم
قبول کیا اور اس پر عمل کر کے فقہ کی بنیاد رکھ دی
جس سے چند حاسد اور ظاہر بینوں نے یہ سمجھا کہ امام
صاحب حدیث کے خلاف ہیں۔ حالانکہ حاسدین
خود نصِ صریح (قرآن) کی خلاف ورزی کر رہے
ہیں۔ جبکہ قرآن کا ایک ایک حرف و حرکت؛
لفظ و نقطہ منزل من اللہ ہے اور متواتر ہے اور
پھر تواتر کی شان تواترا جماع کی ایک قسم ہے چنانچہ
کسی کلام پر اگر اجماع ہو گیا تواتر نام پایا۔ کسی فعل
پر امت کا اتفاق ہو گیا اجماع کہلایا۔

علامہ طحطاویؒ اجماع کی تعریف میں اس
طرح رطب اللسان ہیں:

"والاجماع" قال فی الشرح اجمع
المسلمون من لدن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم الی یومنا ھذا (طحطاوی ص ۳۰۲)
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک جس
بات پر علمائے اسلام کا اتفاق ہو جائے وہ اجماع
کہلاتی ہے) آگے آپ کو معلوم ہو گا کہ مسجد کے اندر
جمعہ میں اذانِ ثانی، خطیب کے روبرو دینے پر
اجماع امت ہو چکا ہے۔

اب ہم یہاں جمعہ میں اذانِ ثانی کے
تعلق سے فقہاء کی آراء و اقوال پیش کرتے ہوئے
آگے اس حدیث کی بھی کسی قدر تشریح و تفصیل
عرض کریں گے۔ جس کے ظاہری معنی سے بعض ظاہر بین
نے مغالطہ کھایا اور غلط مفہوم لے لیا۔ اور تائید میں
فقہ کی وہ عبارتیں پیش کر دیں جو عام اذانوں کے

ساتھ ربط رکھتی ہیں اور موسوم و منقول ہیں جیسے فتاوی قاضی خان اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ:

مطلق اذان مسجد میں مکروہ ہے

وینبغی ان یؤذن	اذان مئذنہ پر دے یا
علی المؤذنة او خارج	مسجد کے باہر اور مسجد میں اذان
المسجد ولا یؤذن	نہ دے۔ فتاوی قاضی خان
فی المسجد کذا فی	میں ایسا ہی ہے۔ اونچی جگہ
فتاوی قاضیخان	اذان کا دینا سنت ہے اس
والسنة ان یؤذن فی	سے یہ مقصد ہے کہ مسجد کے
موضع عال یکون اسمع	قرب و جوار والے بہ آسانی
لجیرانه ویرفع صوته	آواز سن سکیں اور خود
کذا فی البحر الرائق	آواز بھی بلند ہو، جیسا کہ
(فتاوی عالمگیری ص ۳۲ ج ۱)	بحر الرائق میں ہے۔
	(فتاوی عالمگیری)

امام طحطاوی رح فرماتے ہیں:-

انه یؤذن فی مکان	اذان کسی اونچی جگہ
عال ایضا کما فی السراج	دی جائے اور مسجد میں اذان
ویکره ان یؤذن فی المسجد	دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر
کما فی القهستانی عن	کوئی اونچی جگہ مینار یا
النظم فان لم یکن ثمة	مئذنہ نہیں ہے تو پھر
مکان مرتفع للاذان	مسجد کے باہر اذان
یؤذن فی فناء المسجد	دینی چاہیئے۔
کما فی الفتح (طحطاوی ص ۱۱۱)	(طحطاوی ص ۱۱۱)

یہ فقہاء کے اقوال ہیں اور تقریباً سبھی فقہی کتابوں میں مندرج ہیں اور یہ عام طور پر پنج وقتہ نمازوں کے اوقات پر دی جانے والی اذان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر یہ حکم بھی مطلق اذان کے ساتھ مخصوص ہے جس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ عوام کو اس آواز کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ اکٹھا کیا جائے۔ اور نماز اور جماعت کا وقت بتلایا جائے۔

مخصوص اذان مسجد میں مکروہ نہیں

اب آگے وہ اذان بھی ہے جو کسی قید کے ساتھ مقید ہے (یعنی جمعہ کے دن کی قید کے ساتھ دی جانے والی اذان ثانی) اس کا دوسرا حکم ہے اور اس کے لئے فقہاء نے خارج مسجد نہیں بلکہ داخل مسجد اذان دینے کی مشروعیت اور اجامعیت ظاہر کی ہے اور اس حکم میں وہ اذان بھی آتی ہے جو کسی قضاء نماز کے پڑھنے کی صورت میں دی جاتی ہے۔ گو وہ آہستہ سہی۔ اس حکم کو فقیہ اعظم علامہ طحطاوی رح کی زبان میں سنیئے فرماتے ہیں:

ویؤذن للفائتة ویقیم لان الاذان والاقامة من سنن الصلوة لا من

سنن الوقت۔ والقضاء یحکی الاداء قال فی الشرح والاطلاق یشمل القضاء فی المسجد والبیت (الی ان قال) قال صاحب البحر واذا کانوا صرحوا بان الفائتة لا تقضی فی المسجد لما فیه من اظهار التکاسل فی اخراج الصلوٰة عن وقتها فالاخفاء بالاذان لها اولی بالمنع اھ۔ الا اذا کان التفویت لامر عام فلا یکره فی المسجد لانتفاء العلة۔ (طحطاوی ص۱۱۹)

یہاں اس عبارت نے یہ ظاہر کیا ہے کہ قضاء نماز گھر اور مسجد دونوں جگہیں پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر مسجد میں پڑھنا اور بلند آواز سے اذان دینا بہتر نہیں ہے، کیونکہ اس سے بروقت نماز پڑھنے میں سستی ظاہر ہوتی ہے اور ہاں اگر کسی عذر کے سبب سے سب ہی لوگوں کی نماز قضاء ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں مسجد ہی کے اندر اذان دے کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

صاحب مراقی الفلاح علامہ شیخ حسن بن عمار شرنبلالی نے اذان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

لان الاوقات اعلام	اوقات نماز کا پایا
فی حق الخواص والاذان	جانا ہی درحقیقت
اعلام فی حق العوام	خواص کے لئے اعلان نماز
(مراقی ص۱۱۳)	ہے اور یہ حکم عوام کے لئے اذان ہی گویا اعلان نماز ہے

اس عبارت پر علامہ طحطاوی نے یہ حاشیہ چڑھایا ہے

قوله یرید الاذان الخ ثمة	اور چونکہ یہ صورت
ویؤذن بین یدی الخطیب یوم	قضا نماز کی اذان اور
الجمعة ولم یکن الا هو	خطیب کے سامنے دی جانے
حتی احدث عثمان رضی الله	والی اذان کے اندر ہے
عنه اذان الاول علی دار	نہیں اس لئے اس کا حکم دیگر
بسوق المدینة مرتفعة	ہوگیا اور جمعہ کی پہلی اذان
یقال لها الزوراء	سب سے پہلے حضرت عثمان رضی
(طحطاوی ص۱۱۳)	نے مدینہ کے زوراء نامی بلند
	مقام یا گھر میں دلوائی تھی۔

مسجد کے اندر خطیب کے روبرو اذان پر فقہی دلائل

(۱) سوال : جمعہ کی نماز کے لیے دو اذان ہوتی ہیں۔ ان کی کیا اصلیت ہے؟

جواب : ایک اذان کا ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے چلا آتا ہے۔ اور دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جبکہ کثرت آدمیوں کی ہوئی بڑھا دی تو یہ بھی سنت ہے۔ مگر اختلاف اس میں ہے کہ پہلی اذان ان دونوں میں سے کونسی ہے؟ جس کے سننے سے

خرید و فروخت اور کل کام سوائے نماز کی طرف چلنے کے حرام
ہو جاتے ہیں۔ صحیح تر قول کے موافق پہلی اذان وہی ہے
جو وقت کے اندر پہلی ہو یعنے خطیب کے سامنے کی اذان سے
پہلے اذان۔ اسی اذان کے سننے سے سب باتیں یعنے بیع
وغیرہ مکروہ تحریمی ہو جاتی ہیں اور نماز کی طرف چلنا
واجب۔ (عالمگیری، در مختار)"
کتاب رکن دین۔ باب الجمعہ ص۱۸۵)

(۲) "و خطبہ پیش نماز خواند و در مسجد اذان امام
دہد" (چہار باب ص۱۶ مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ
محدث دہلوی رح)

(۳) "اما اذان خطبہ سنت مؤکدہ است بالاجماع
عقب ہل منبر گوید و اقامت بعد از خطبہ نماید۔"
("مفتاح الصلوٰۃ" ص۱۲۲)

(۴) "و چوں امام بر منبر بنشیند اذان دوم روبروئے
او گفتہ شود" ("ما لا بد منہ" از بیہقی وقت حضرت
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح)

(۵) فاذا صعد الامام المنبر جلس واذن
المؤذن بین یدی المنبر ثم یخطب الامام"
(قدوری ص۳۷)

(۶) "واذا صعد الامام المنبر جلس علیه
واذن بین یدی المنبر بذلك جری التوارث
ولم یكن علی عهد رسول الله صلی الله علیه
وسلم الا هذا الاذان" (شرح القدوری ص۶۱)

للعلامة الشیخ عبد الغنی الغنیمی المیدانی رح)

(۷) "وكذا الجلوس علی منبر قبل
الشروع فی الخطبة والاذان بین یدیه
جری به التوارث كالاقامة بعد الخطبة"
(مراقی الفلاح ص۳۰۹)

(۸) "وترك البیع بالاذان الاول
الواقع بعد الزوال فی الاصح" لحصول الاعلام
به لانه لو انتظر الاذان الثانی الذی عند
المنبر تفوته السنة" (مراقی الفلاح ص۳۱۱)

(۹) وبها منه قال الامام الطحطاوی رح
"قوله فی الاصح. وقال الطحطاوی
المعتبر هو الاذان الثانی عند المنبر
لانه الذی كان فی زمنه صلی الله علیه
وسلم والشیخین بعده"
(طحطاوی ص۳۱۱)

(۱۰) ویجب السعی وترك البیع
بالاذان الاول وقال الطحاوی رح یجب
السعی ویكره البیع عند اذان المنبر۔ وقال
الحسن بن زیاد المعتبر هو الاذان علی
المنارة والاذان بعد الزوال سواء كان
علی المنبر او علی الزوراء كذا فی الكافی
الی ان قال) واذا جلس علی المنبر اذن
بین یدیه واقیم بعد تمام الخطبة

بذلک جرى التوارث كذا في بحر الرائق"
(فتاوی عالمگیری ص۹۵)

(۱۱) "واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدى المنبر بذلك جرى التوارث ولم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الا هذا الاذان ولهذا قيل هو المعتبر في وجوب السعى وحرمة البيع والاصح أن المعتبر هو الاول اذا كان بعد الزوال لحصول الاعلام به والله أعلم" (فتح القدير ص۳۸ جلد ثانی)

(۱۲) "والاذان الاول هو الذى حدث في زمن عثمان رضى الله عنه على الزوراء وكان الحسن بن زياد يقول المعتبر هو الاذان على المنارة لانه لو انتظر الاذان عنه المنبر تفوته اداء السنة وسماع الخطبة وربما تفوته الجمعة اذا كان بيته بعيدا من الجامع"
(کفایۃ على الہدایۃ ص۳۸ جلد ثانی)

(۱۳) "ووجب سعى اليها وترك البيع بالاذان الاول في الاصح (ويؤذن ثانيا (بين يديه) اى الخطيب اذا جلس على المنبر" (درمختار ص۷۷ جلد اول)

(۱۴) "قوله في الاصح) قال في شرح المنية واختلفوا في المراد بالاذان الاول فقيل الاول باعتبار المشروعية وهو الذى بين يدى المنبر لانه الذى كان اولا في زمنه عليه الصلوٰة والسلام وزمن ابى بكر وعمر حتى احدث عثمان الاذان الثانى على الزوراء حين كثر الناس والاصح انه الاول باعتبار الوقت وهو الذى يكون على المنارة بعد الزوال اهـ ـ والزوراء بالمد اسم موضع في المدينة قوله يؤذن ثانيا بين يديه اى سبيل السنية كما يظهر من كلامهم رملى" (رد المختار ص۷۷۰ ج۱)

(۱۵) "فاذا جلس على المنبر اذن بين يديه واقيم بعد تمام الخطبة بذلك جرى التوارث والضمير في قوله بين يديه عائد الى الخطيب الجالس وفي القدورى بين يدى المنبر وهو مجاز اطلاقا لاسم المحل على الحال كما في السراج الوهاج فاطلق اسم المنبر على الخطيب
(بحر الرائق صفحہ ۱۵۲ جلد ثانی)

یہاں ان فقہی عبارات کے خط کشیدہ الفاظ نے یہ صاف ظاہر کر دیا ہے کہ جمعہ میں اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا چاہیے اور وہ بھی خطیب کے سامنے، مقابل

اور قریب ہیں۔ صاحب بحر الرائقؒ نے اس کے اندر اتنا اور اضافہ کر دیا ہے کہ بین یدیہ اور بین یدی المنبر کا اطلاق اصل میں محل وقوع کی بنا پر ہے۔ اس سے ممبر مراد نہیں بلکہ صاحب ممبر یعنی خطیب ہی مراد ہے اور وہی مقصود بھی ہے۔ اور یہ ردیہ دراصل اس اشکال کی تردید تھی کہ کوئی یہ سمجھ لے کہ ممبر ہی مقصود ہے۔ اس لئے ممبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دے دے۔ چاہے اس پر خطیب بیٹھا رہے نہ رہے۔ لہٰذا اس کی تردید کر دی۔

علامہ جزیریؒ نے اپنی کتاب "الفقہ علی المذاهب الاربعة" میں اس مسئلہ پر چاروں ائمہ (حنفیؒ شافعیؒ مالکیؒ اور حنبلیؒ) کا اتفاق نقل کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی مسجد کے باہر یا خطیب کے سامنے سے ہٹ کر فاصلہ پر اذان دینے پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ چنانچہ شوافعؒ اور حنابلہؒ کی آراء پیش کرتے ہوئے یہاں تک ذکر فرمادیا ہے کہ یہ اذان ثانی خطیب کے روبرو اور ممبر سے متصل ہونے کے بجائے اگر چند صفیں ہٹ کر جماعت کے سامنے دی جانے لگے تو یہ مکروہ ہے۔ فرمایا کہ

(۱۶) (الشافعیةؒ قالوا) وان یجلس علی المنبر قبل الخطبة الاولیٰ (الی ان قال) وأن یؤذن واحد بین یدی الخطیب لا جماعة والا کرہ" (الفقہ علی المذاهب الاربعة صفحہ ۳۹۵)

(الحنابلةؒ قالوا) وان یجلس حتی یؤذن بین یدیہ (ایضاً) صفحہ ۳۹۵

(۱۷) "واما الاذان فان جمهور الفقهاء اتفقوا علی ان وقته هو اذا جلس الامام علی المنبر۔ واختلفوا هل یؤذن بین یدی الامام مؤذن واحد فقط او اکثر من واحد؟ فذهب بعضهم الی انه انما یؤذن بین یدی الامام مؤذن واحد فقط وهو الذی یحرم البیع والشراء" اھ

(بدایة المجتهد صفحہ ۱۶۱/۱)

یہاں صاحب "بدایۃ المجتہد" کے سوال و جواب پر غور فرمائیں۔ انہوں نے پہلے تو یہ سوال قائم کیا ہے کہ کیا امام کے سامنے ہی اذان دی جائے؟ اور کیا اس کے لئے ایک مؤذن ہو یا ایک سے زیادہ؟؟ پھر اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ ایک ہی مؤذن ہو اور وہ بھی امام کے سامنے ہی اذان دے۔ اس پر جمہور فقہا کا اتفاق بھی نقل کیا ہے۔

(۱۸) "لانه لو انتظر الاذان عند المنبر تفوته اداء السنة وسماع الخطبة (الی ان قال بعد) وکان الطحاوی یقول المعتبر هو الاذان عند المنبر خروج الامام"

(عنایہ شرح ہدایہ صفحہ ۴۵)

(۱۹) "لانه لو انتظر الاذان عند المنبر تفوته اداء السنة وسماع الخطبة"

(مجمع الانہر)

(۲۰) "ولہ اذا کان اذان خارج المسجد واذان بعدہ بین یدی المنبر اذا جلس الخطیب علی المنبر" (تبصرۃ الرحمن ص ۲۲۹)

دیکھئے یہاں کتنی کھلی اور صاف بات بیان کی ہے جو کسی مدرسہ کے ادنیٰ درجے کے طالبعلم کو سمجھنا بھی دشوار نہ ہو، فرمایا کہ "وہاں دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ایک اذان تو مسجد کے باہر اور دوسری اذان منبر کے پاس خطیب کے روبرو جبکہ خطیب منبر پہ بیٹھ جائے۔ پہلی اذان کو خارج مسجد کہنے کی ضرورت ہی یہ تھی کہ دوسری اذان داخل مسجد خطیب کے روبرو ہو رہی ہے۔

(۲۱) واذا جلس الامام علی المنبر اذن اذانا ثانیا بین یدیہ ..... الیٰ ..... قربا منہ" (جامع الرموز ص ۲۵)

(امام جب منبر پہ بیٹھ جائے تو دوسری اذان اس کے سامنے اور اس کے قریب دی جائے۔

(۲۲) "قال فی الدر المختار وینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب انتہی"۔ (نفع المفتی والسائل ص ۱۰۳ مولانا الشیخ عبد الحی لکھنوی)

(۲۳) واما الاذان الاول فقد صرح فی النہایۃ بان المتوارث فیہ اجتماع المؤذنین فتبلغ اصواتہم الی اطراف المصر الجامع۔ اھ۔ ففیہ دلیل علی انہ غیر مکروہ لان المتوارث لا یکون مکروہا وکذلک الذی بین یدی الخطیب المتوارث کونہ بجماعۃ فہو مثلہ غیر مکروہ"

(العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" تالیف الشیخ العلامۃ محمد امین الشہیر بابن عابدین طبع بیروت ص ۸ ج ۱)

مسجد کے اندر خطیب کے سامنے اذان تفاسیر کی روشنی میں۔

(۱) "اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ عند قعود الامام علی المنبر للخطبۃ (الیٰ ان قال) ولا یحل لہ البیع اذا سمع النداء الذی یکون بین یدی الامام اذا قعد علی المنبر"۔ (تفسیر طبری ص ۶۱ ج ۲۸)

(۲) "اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ وذلک ہو النداء ینادی بالدعاء الی صلوۃ الجمعۃ عند قعود الامام علی المنبر للخطبۃ" (شرح تفسیر طبری ص ۶۰ ج ۲۸)

(۳) ولم یکن فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذان الا اذانان، اذان حین یجلس علی المنبر واذان حین تقام الصلوۃ (قال بعد سطور) ولا یحل لہ البیع اذا سمع النداء الذی یکون بین یدی الامام اذا قعد علی المنبر"

(شرح تفسیر طبری صفحہ ۶۱ ج ۲۸)

۴ "والمختیر فی تعلق الامر الاذن هو الاذان الاول فی الاصح عندنا لان حصول الاعلام به لا الاذان بین یدی المنبر"

(تفسیر روح البیان صفحہ ۲۸۶ ج ۶)

۵ "(اذا نودی) ای اذن عند المنبر (للصلوٰۃ)" تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان" طبع مصر صفحہ ۳۴۳ ج ۲ - الامام العلام المحقق الفهام الشیخ علی المهایمی رح)

۶ "(من یوم الجمعة) ای فی یوم الجمعة وزاد یعنی النداء الاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبة لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم نداء سواه کان اذا جلس صلی الله علیه وسلم علی المنبر اذن بلال - عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة الاول اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلما کان عثمان و کثر الناس زاد النداء الثانی علی الزوراء، زاد فی روایة فثبت الامر علی ذلک" تفسیر مدارک التنزیل بشرح خازن جلد رابع صفحہ ۳۶۵)

مسجد اندر خطیب کے سامنے اذان احادیث کی روشنی میں

۱ عن السائب بن یزید رض ان الاذان یوم الجمعة کان اوله حین یجلس الامام یوم الجمعة علی المنبر فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله عنه وکثروا امر عثمان یوما لجمعة بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک رواه البخاری والنسائی وابوداؤد" (مشکوٰۃ شریف)

۲ "عن السائب بن یزید رض قال کان بلال یؤذن اذا جلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر یوم الجمعة فاذا نزل اقام ثم کان کذلک فی زمن ابی بکر و عمر رضی الله عنهما" (نسائی شریف صفحہ ۲۰۷)

۳ عن ابن شهاب قال اخبرنی السائب بن یزید ان الاذان کان اول حین یجلس الامام علی المنبر یوم الجمعه فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلما کان فی خلافة عثمان وکثر الناس امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث یؤذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک"

(نسائی شریف صفحہ ۲۰۷)

۴ عن السائب بن یزید قال ما کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم

الا مؤذن واحد اذا خرج اذن واذا نزل اقام وابوبکر وعمر کذلک فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی دار فی السوق یقال لها الزوراء فاذا خرج اذن واذا نزل اقام" (ابن ماجہ ص ۷۶)

۵ قال کان بلال یؤذن اذا جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر یوم الجمعۃ ویقیم واذا نزل ولابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما حتی کان عثمان اغنمی (مسند امام احمدؒ)

۶ "عن السائب بن یزید کان اذا جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر اذن علی المسجد" (عینی شرح بخاری)

اس حدیث میں جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ صریح حکم ملتا ہے کہ اذان مسجد میں ہو، خارج مسجد نہ ہو، اور فقہاءؒ کے نزدیک مسجد کی چھت اور فرش دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ جس طرح خانہ کعبہ کی سیدھ میں نیچے تحت الثریٰ اور اوپر اور وراء الوریٰ آسمانوں تک بھی خانہ کعبہ ہی ہے۔ اسی طرح اعتبار اصل، یعنی مسجد کے بھی یہی احکام ہیں۔ الفاظ حدیث پر نظر کرتے ہوئے کوئی اس کے ظاہری معنی لے کر یہ نہ کہنے لگے کہ یہاں تو علی المسجد یعنی مسجد کے اوپر اذان دینا ثابت ہے مسجد کے اندر تو نہیں ہے؟ اس لئے ہمیں فقہاءؒ کی یہ اصطلاح اور ان کی تحقیق بھی بتلا دینا ضروری ہوا۔ چاہے مسجد کی چھت کے اوپر اذان دی جائے یا مسجد کے اندر، دونوں کا ایک حکم ہے۔ چھت اور زمین احکام میں برابر ہیں۔ جنابت والا نہ تو مسجد کے اندر داخل ہو سکتا ہے اور نہ مسجد کے اوپر۔

حدیث میں مسجد کے دروازے پر اذان

عن السائب بن یزیدؓ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر (ابوداؤد شریف)

اس حدیث پر کچھ عرض کرنے سے پہلے اوپر کی فقہی روایات، کتب، تفاسیر و احادیث کی محولہ بالا خط کشیدہ جملہ عبارات پر غور فرمالیں تو ان سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی ممبر کے قریب، مقابل امام و خطیب ہی مسنون طریقہ ہے۔ اور اسی پر اجماع اُمت تعامل اُمت اور توارث اُمت ہے۔ اس کی خلاف ورزی، گویا پوری اُمت کی خلاف ورزی ہے۔ اُمت کے ان چاروں مشہور ائمہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کے خلاف نہیں کہا ہے، بلکہ سب کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اور ان ائمہ میں سے بھی پہلے صحابہ کرامؓ کا اجماع اس پر

ثابت ہے۔ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

بظاہر ابوداؤد کی اس حدیث پر جہاں غیر مقلدین حضرات نے عمل کیا وہیں بعض بریلوی مکتبِ فکر علماء نے بھی زور دیا۔ سوائے ان دونوں طبقہ کے کسی نے بھی اس خبر واحد پر عمل نہیں کیا اور حجت قرار نہیں دیا بلکہ اس کے خلاف ہی فتویٰ دیا ہے

اب ہم اس حدیث پر محدثین کی آراء اور اقوال پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مفسرین کرام کا کلام پیش کریں۔

فقرۂ بین یدی مفسرین کے نزدیک

جس طرح اس حدیث میں بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص فقرہ ہے اسی طرح دوسری احادیث اور کتب تفاسیر، نیز فقہی عبارات میں بھی ٹھیک یہی فقرہ آتا ہے۔ جیسے "بین یدیہ" "بین یدی المنبر" "بین یدی الامام" اور "بین یدی الخطیب" وغیرہ۔ پھر ایسا ہی فقرہ قرآن شریف کے اندر بھی آرہا ہے کہ "لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ" اس خاص فقرۂ "بین یدی" کے تعلق سے صاحبِ تفسیر بیضاوی کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

(۱) بین یدی اللہ ورسولہ مستعار مما بین الجہتین المسامتتین لیدی الانسان تہجینا لما نہوا عنہ"

(تفسیر بیضاوی ص ۳۱۱)

وبھامشہ "قولہ مستعار مما بین الجہتین یشیر الی ان الیدین فی مثل قولہ جلست بین یدی فلان۔ مستعملتان بعلاقۃ المجاورۃ فی الجہتین المسامتتین لیمینہ وشمالہ قریبا منہ"

(حاشیہ تفسیر بیضاوی ص ۳۱۱)

(۲) وحقیقۃ قولہم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجہتین المسامتتین یمینہ وشمالہ قریبا منہ"

("تفسیر کشاف" اور "تفسیر مدارک التنزیل")

(۳) "بین یدی اللہ ورسولہ" حقیقت قولہم جلست بین یدی فلان ان تجلس بین الجہتین المسامتتین لیمینہ وشمالہ قریبا منہ فسمیت الجہتان یدین لکونہما علی سمت الیدین مع القرب منہما۔"

(تفسیر خازن۔ جلد رابع ص ۱۶۳ ج ۴)

(۴) بین یدی اللہ ورسولہ۔ ای بحضرتہما لان ما بحضرۃ الانسان فہو بین یدیہ وہو ناظر الیہ وہو نصب عینیہ ان قول القائل فلان بین یدی فلان اشارۃ الی کون کل واحد منہما حاضرا عند الآخر

لان من یجلس بجنب الانسان یکلفہ تقلیب الحدقة الیه وتحریك الرأس الیه عند الکلام والامر ومن یجلس بین یدیه لا یکلفه ذالك ولان الیدین تنبئ عن القدرة یقول القائل هو بین یدی فلان ای یقلبه کیف شاء فی اشغاله کما یفعل الانسان بما یکون موضوعا بین یدیه" (تفسیر کبیر صفحہ ۵۸۴ ج ۷ جلد سابع۔ للامام فخر الدین محمد الرازیؒ)

یہاں آپ نے ابھی دیکھ لیا کہ بین یدی کا مطلب حضرات مفسرینؒ نے قریب کا لیا ہے یعنی بالکل نزدیک قریب میں کھڑا ہونا۔ حاضر رہنا اور ایک دوسرے کے مقابل ہونا۔

"بین یدی" محدثین کے نزدیک

عربی کے ایک عام فہم لفظ بین یدی کو قریب، نزدیک یا روبرو سامنے، پاس اور مقابل والے صاف اور کھلے ترجمے کو چھوڑ کر کھینچ تان کر دور کا مطلب نکالنا اور سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر لے جانا یہ محاورۂ عرب کے بھی یکسر خلاف ہے اور اہل لغت کے بھی۔

اور ایسی ایک نہیں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے بخاری میں ایک طویل حدیث جس میں صلح حدیبیہ کے وقت پیش آنے والے معجزہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح شروع کی ہے۔

"عن جابرؓ قال عطش الناس یوم الحدیبیة ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین یدیه رکوة فتوضأ منها الخ" (بخاری صفحہ ۵۹۸ ج ۲)

غور کیجئے یہاں بین یدیہ کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہاں دُور کا مطلب لیں گے یا قریب؟؟ جبکہ دُور کا مطلب کا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ محاورۂ عرب میں بین یدی کا لفظ محض قریب، پاس اور نزدیک ہی کے معنی میں آتا ہے۔ اور اس پر اہل لغت کا بھی اتفاق ہے۔

تحقیق بر لفظ "عند"

جس طرح کتب تفاسیر و احادیث میں اور فقہی روایات میں بین یدی کی جگہ عند کا لفظ جوڑ دیا ہے۔ جس سے انہیں بین یدی کے مفہوم کو اور زیادہ واضح کرنا مقصود تھا۔ جیسے "عنایہ شرح ہدایہ" میں "لو انتظر الاذان عند المنبر ...... " "وکان الطحاوی یقول المعتبر هو الاذان عند المنبر" اور "مجمع الانہر" میں "لو انتظر الاذان عند المنبر" اور "عالمگیری" میں

"ویکرہ البیع عند اذان المنبر" کے الفاظ آتے ہیں اور "عند" کے متعلق "مبسوط" میں ہے۔ "عند" عبارۃ عن القرب" اور "جامع الرموز" میں عند المنبر کے معنی "قریبا منہ" لکھا ہے۔ غرض عند کے معنی پاس اور نزدیک کے آتے ہیں اور جس کے مفہوم میں "قرب" بھی داخل ہے۔ اہل زبان ولغت کا اس پر اتفاق ہے۔

فتاوی عالمگیری کی عبارت کی ترکیبی نزاکت پر ذرا غور کریں تو بات اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے "عند اذان المنبر" میں "عند" مضاف اذان مضاف الیہ ہو کر مضاف "المنبر" مضاف الیہ عند در اصل خود پاس نزدیک اور قرب کے مفہوم پر دال ہے لیکن اس کے باوجود اس وقت کے علماء کو اس میں اضافہ کی ضرورت غیب محسوس ہوئی اور انہوں نے اس پر اذان المنبر (مضاف، مضاف الیہ) کا جملہ بڑھا کر اس ضرورت کو پورا کر دیا، تاکہ آگے کسی کو اس پر اعتراض یا اشکال کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس لئے اس کا نام ہی اذان المنبر (ممبری اذان) رکھ دیا۔ ورنہ ممبر کیسا اضافت کے کیا معنی؟ ظاہر ہے چونکہ ممبر مسجد کے اندر ہوتا ہے۔ اس لئے اذان بھی اندر ہوگی اور خطیب کے سامنے ہوگی۔

اب ہم آپ کی توجہ کو بین یدی

والے جملے کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ جس طرح حضرات مفسرین نے اپنی تفاسیر میں بین یدی کا نقرہ چسپت کیا، اسی طرح مذکورہ خبر واحد والی حدیث میں بھی "بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا خاص نقرہ صاف آگیا ہے جو یقیناً قریب ونزدیک کے معنی میں مستعمل ہے۔ لغت کے اعتبار سے بھی اور تفسیری لحاظ سے بھی۔

ہاں "باب المسجد" والا جملہ البتہ کھٹکتا ہے جو یقیناً ابوداؤد کی اس روایت کے سوائے کسی بھی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے شراح حدیث نے اس کو غیر واحد پہ محمول کیا ہے۔ اور وہ بھی یہی حضرت سائب بن یزیدؓ کی روایت سے ہی جس میں باب مسجد والا نقرہ سرے سے ہے ہی نہیں، تو دوسری طرف تفردات ابی داؤد میں سے یہی حدیث ہے۔ اب عمل کس پہ کیجئے گا۔ خود غور فرمائیے گا۔

راوی حدیث محمد بن اسحٰق اور جرح

ابوداؤد کی اس حدیث میں جس کے راوی حضرت سائب بن یزید ہیں ان کے شاگرد زہری ہیں اور ان کے شاگرد محمد بن اسحٰق ہیں اور یہ محمد بن اسحٰق ائمہ محدثین کے کہ ناقدین کے نزدیک مجروح ہیں چنانچہ "کتاب الضعفاء" میں امام نسائیؒ

خود انہیں اس طرح فرمایا ہے۔ "محمد بن اسحٰق
لیس بالقوی"۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ"
میں علامہ ذہبیؒ نے لیس بحجۃ" سے (۳)
تقریب التہذیب" میں حافظ ابن حجرؒ نے
تدلیس" سے (۴) تہذیب الکمال" میں امام
ابوزرعہؒ نے "منکر الحدیث" سے (۵) میزان
الاعتدال" میں امام دارقطنیؒ نے "لا یحتج بہ"
سے یاد کیا ہے (۶) اور خود امام ابوداؤدؒ سے
"میزان الاعتدال" میں محمد بن اسحٰق پر "قدری"
اور "معتزلی" والے الفاظ جرح نقل ہوئے ہیں۔
(۷) اور اسی طرح سلیمان تیمیؒ (۸) اور ہشام
بن عروہؒ نے انہیں "کذاب" کا خطاب دیا ہے۔
(میزان الاعتدال)
(۹) اور اسی کتاب "میزان الاعتدال"
میں امام دار الہجرہ حضرت امام مالکؒ سے یہ منقول
ہے کہ انہوں نے محمد بن اسحٰق کو "دجال
من الدجاجلۃ" کہا ہے اور اس طرح ناقدین و
جارحین کی فہرست میں جہاں (۱۰) سفیان ابن عیینہؒ
(۱۱) حماد بن سلمہؒ (۱۲) حمید بن حبیبؒ (۱۳) امام
احمد بن حنبلؒ (۱۴) اور صاحب المسند ابن عدیؒ بھی
ہیں، وہیں (۱۵) مکی بن ابراہیمؒ (۱۶) اور امام الجرح
والتعدیل علی بن المدینیؒ بھی ہیں (یہ دونوں امام
بخاری کے استاد ہیں) ان کی جرح کے الفاظ

اس طرح ہیں۔
"قال علی یحدث عن المجهولین
باحادیث باطلة" (علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ
محمد بن اسحٰق ایسے لوگوں سے جھوٹی روایتیں بیان کرتے
ہیں جو مجہول اور نامعلوم ہیں) (۱۷) نیز "کتاب الضعفاء"
لابن الجوزیؒ میں امام بخاریؒ کے دادا استاد امام
الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے
ہیں۔
"قال یحیی بن سعید القطان ما
ترکت حدیثه الا للہ اشهد انه
کذاب"۔ (کتاب الضعفاء لابن الجوزیؒ) یعنی
یحیٰی بن سعید القطانؒ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کی
حدیث کو میں نے لوجہ اللہ ترک کر دیا ہے اور میں
اس بات کی گواہی بھی دیتا ہوں کہ وہ بہت جھوٹے
ہیں
ابھی آپ نے کبار ناقدین اور عظیم جارحین کی
ایک طویل فہرست دیکھی جو سترہ حضرات پر مشتمل
تھی۔ ان کے علاوہ بعض نقادین نے جہاں محمد بن اسحٰق
پر سخت تنقید کی ہے وہیں دو ایک نام ایسے بھی مل
رہے ہیں جنہوں نے آپ کی تعدیل و توثیق بھی کی
ہے۔ (۱۸) اور پھر اس پر صاحب کتاب "میزان الاعتدال"
نے ایک لطیف اور عمدہ پیرایہ میں بحث کی ہے اور آخر
میں ایک اٹل اور لا یزال فیصلہ سناتے ہوئے

بسم اللہ الجلیل الظاہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بسم اللہ الحسیب الوارث الحفیظ

★ اشعار بر موقع ★

جلسۂ دستار بندی و تقسیم اسنادِ فارغین دار العلوم لطیفیہ ویلور

● ازنتیجۂ فکر:- پروفیسر جلال کڈپوی علیہ الرحمہ ●

فارغ لطیفیہ کے صاحب جمال بن جا — نورِ ازل کے حامل تو باکمال بن جا
قرآں کی ہے امانت پیوست تیرے دل میں — تو اسکا ترجماں بن شیریں مقال بن جا
تھا تو لطیفیہ میں مثلِ ہلال اب تک — آفاق میں اُبھر کر ماہِ کمال بن جا
کرنی ہو تجھ کو خدمت چھوٹی ہو یا بڑی ہو — صدیقِ دین بن جا یا تو بلالؓ بن جا
بے کلمہ بے عبادت افراد مر رہے ہیں — قریوں میں داعیٔ حق کی تو مثال بن جا
سب انبیاؑ، صحابہؓ اور اولیاؒ تھے داعی — دعوت تو دے کے دین کی اب باکمال بن جا
جو ٹوٹتا ہے تجھ سے اسکو گلے لگالے — اخلاقِ احمدی کی روشن مثال بن جا
علمِ نبیؐ کے وارث، تو نائبِ نبیؐ بن — حضرت لطیف و قربی کی تو مثال بن جا

اس دورِ شور و شر کا اب ہے یہی تقاضا
صاحب جمال ہے تو صاحب جلال بن جا

فی شانِ دارُ العلوم لطیفیہ

نظمہا محمد خواجہ شریف شیخ الادب بالجامعة النظامیة بحیدرآباد

دار العلوم اللطیفیة قد رفعت
اقدمُ جامعةٍ فی الهند ذا ثمرت

اقامها قطب ویلور وشیّدها
من نوره القاع والآکامُ قد لمعت

شیخُ الطریقةِ ذو علمٍ و معرفةٍ
اعلامه فی جمیع الکونِ قد نُصبت

اَکرِمْ بشیخ جلیلِ القدرِ اِنَّ لهٗ
سِرَّ السرائرِ لِلّٰهِ العلیِّ شهدت

اَحْسَنَها باقِرُ شیخ المشائخ اِذْ
تحتَ عِنایتِهٖ فیما اَتی ازدهرت

بنورها الارضُ واللهِ لقد برقت
منها الینابیعُ والانهارُ نا نفجرت

مَنْ کان یدخلها فی النور دخل
کُلَّ الخلائق من فیضاتها رویت

واللهَ نسألُ اَنْ یُبقیها دائمةً
وتبقی آثارُها نوراً کما بقیت

نعت شریف

از:-

ڈاکٹر سید وحید اشرف، پروفیسر صدر شعبہ عربی فارسی اردو دانشگاہ مدراس

بلا لو اپنے در پہ اب خدارا یا رسول اللہ
دکھا دو اپنے روضے کا نظارا یا رسول اللہ

مری بگڑی ہوئی تقدیر دم بھر میں سنور جائے
جو ہو جائے تمہارا اک اشارا یا رسول اللہ

اندھیری رات ہے، طوفان ہے اور بیکسی اپنی
تمہیں دو اپنے بیکس کو سہارا یا رسول اللہ

مریضِ ہجر کی تنہائی اور بیچارگی یہ ہے
نہیں ہے اب کوئی تدبیر و چارا یا رسول اللہ

ہے طوفانِ بلا، بادِ مخالف، راہزن ہر سو
نظر ہو حالِ امت پہ خدارا یا رسول اللہ

فرشتے حشر میں یوں بول اٹھیں دیکھ کر مجھ کو
وہ دیکھو آگیا شیدا تمہارا یا رسول اللہ

دمِ پرسش نکیروں سے بس اتنا آپ فرما دیں
اسے چھوڑو یہ عاشق ہے ہمارا، یا رسول اللہ

گدا در کا تمہارے جو ہے بیشک وہ وہی اشرف
نہ ہو کیوں اوج پر اس کا ستارا یا رسول اللہ

دار العلوم لطیفیہ

از جناب
علیم صبا نویدی
ایم اے

آماجگاہِ دینِ محمدؐ لطیفیہ
نقشِ تجلیات کی سرحد لطیفیہ
ویلور کی زمین معطر ہے ہر گھڑی
پاکیزہ تعلیمات کی ابجد لطیفیہ
قدسیؔ کی نیک ذات کا فیضانِ آفتاب
اک پاک روشنی کی ہے آمد لطیفیہ
سائے میں جس کے دینِ مبارک ہے فیض یاب
پھیلا ہوا وہ نور کا برگد لطیفیہ
اسلام کے مہکتے چمن زار ہیں صبا
مانندِ آسمان، بلند قد لطیفیہ

پیشکش منجانب:

محمد ابراہیم خان پاکھال (آندھرا) متعلم دار العلوم لطیفیہ

نبوّت نامہ

کوئی ایسا نہیں خدائی میں — جو برابر ہو مُصطفائی میں
آپ خیر البشرؐ تھے اوّل سے — سب سے افضل تھے ہر بھلائی میں
تھے نبوّت سے پہلے بھی ہر دم — منہمک یادِ کبریائی میں
آپؐ صادق ہوئے امیں ہوئے — فرق آیا نہ پائی پائی میں
آپ اِک ایسے دَور میں آئے — قوم دِن رات تھی بُرائی میں
لوگ آپس میں سخت دشمن تھے — عام تھا بغض بھائی بھائی میں
بُت پرستی کا دَور دورہ تھا — بس جہالت تھی انتہائی میں
عافیت اپنی سب سمجھتے تھے — پیشِ اصنام جبّہ سائی میں
آپؐ کو مِل گئی نبوّت اب — آپؐ یکتا تھے رہنمائی میں
آپؐ نے دیں صدائیں فاراں سے — ایک اللہ کی بڑائی میں
قوم کے سارے ظلم سہنے پڑے — حق کے پیغام کی رسائی میں
تنگ آکر جو نکلے مکّے سے — رہِ بطحا چھپے بھی کھائی میں
اب مدینے میں کچھ سکون ملا — لگ گئے اپنی کاروائی میں
آئے کفّار بھی مدینے تک — مقصدِ جنگ تھا ڈرائی میں
آج کا دِن بڑا ہی نازک تھا — سر بہ سجدہ رہے دُہائی میں
نصرتِ حق اسی دم آپہنچی — فتحیابی ملی لڑائی میں

بدر میں عین جنگ مارا گیا
بوجہل قوت آزمائی میں

تھے رؤف الرحیم آپ بہت
اپنی امت کی دل لبھائی میں

کھد رہی تھی مدینے میں خندق
آپ بھی ساتھ تھے کھدائی میں

آپ پر تھے فدا صحابہ بھی
سب نمونہ تھے جان فدائی میں

فتح مکہ کے دن ہے خوش خوش
کعبۃ اللہ کی صفائی میں

نعرے ہر سمت سے بلند ہوئے
ایک اللہ کی بڑائی میں،

سارے اصحاب کا ہجوم ہے
بے مثل سب تھے پارسائی میں

کر گئے پردہ آپ دنیا سے
رہ گئے ہم غم جدائی میں

دے گئے ہیں حدیث اور قرآں
ہم چلیں ان کی رہنمائی میں

ہم گداگر ہیں آپ کے در کے
عافیت ہے اسی گدائی میں

ہم اسیران مصطفےٰ کے لئے
بدنصیبی تو ہے رہائی میں

عمر منظور کٹتی جاتی ہے
حمد و نعت و غزل سرائی میں

مودو عبدالمالک منظور وانمباڑی

۲۰ نومبر سنہ ۸۹ء

سبیل شارہم

قصائد ذوقی

قسط ۶

تصحیح و ترتیب و تحشیہ و ترجمہ

از

ڈاکٹر سید وحید اشرف
پروفیسر و صدر شعبہ عربی و فارسی و اردو،
دانشگاہ مدراس

قصیدہ ۳۴

در مدح امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۱۔ ای دلِ ما زخم شوقت وا سپر
جانِ ما مجروح کردی با سپر
۲۔ مایلِ زخمِ تو در روز و شبیم
تا زدل آمد بدستِ ما سپر
۳۔ زلفِ تو بر پا نیفتد بلکہ آن
در خیالت افگند سودا سپر
۴۔ مایلِ تیرِ تو ای رامی کجاست
جای تیر اندازیت دل یا سپر
۵۔ پیشِ تیرِ غمزہ ات دلہای ما
چون بہ تیغِ خسروِ والا سپر
۶۔ شاہِ دین عثمان کہ تیغِ تیز او
گردنِ اعداء ربابد با سپر
۷۔ در کفِ اعدا ز تابِ تیغِ او
آب گردد در صفِ ہیجا سپر
۸۔ چرخ کفگیری شود از آہِ حوت
تیغ او را گر شود دریا سپر
۹۔ خسروا تابی ز تیغ برق حرق
بیرق صبح آمد اینک با سپر

۱۔ شوق کے زخموں کو ہے دل یہ ہمارا سپر
جاں مری مجروح کی، تم نے چلایا سپر
۲۔ میں تو شب و روز ہوں زخم کا خواہاں تیرے
ہاتھ میں اب میرے ہے دل مرا گویا سپر
۳۔ زلف یہ تیری نہیں پاؤں پہ تیرے پڑی
ڈالتا ہے ذہن میں تیرے یہ سودا سپر
۴۔ تیر کا خواہاں ترے کون ہے اے تیر زن
تیر کے بدلے میں ڈھونڈھتا ہے دل یا سپر
۵۔ تیر ترے غمزے کے اور ہمارا یہ دل
جیسے تیغِ بادشہ اور دلِ سنبیدا سپر
۶۔ شاہِ دیں عثمان کے تیغ کی تیزی یہ ہے
گردنِ اعداء کو کاٹتی ہے با سپر
۷۔ تیغ کی تابش یہ ہے کہ کفِ اعدا میں
پانی پانی خوف سے ہے دمِ ہیجا سپر
۸۔ مچھلیوں کی آہ سے آسماں کفگیر ہو
تیغ کو اس کی بنے گر کبھی دریا سپر
۹۔ تیری برقِ تیغ کا یہ ہے اثر خسروا
ہے علمِ صبح بھی آسماں پہ با سپر

۱۰۔ چو زمیں حسرتی بگردد میشود
تیغ شہ را گنبدِ خضرا سپر

۱۱۔ پیشِ تیغِ او کہ باشد آتشی
میگدازد جملہ موم آسا سپر

۱۲۔ از نہیب او کہ خود را کرد آب
افگند ضرغام در بیدا سپر

۱۳۔ نیست خورشید، آسماں از زرِّ ناب
می نگارد بہر نہ شاہا سپر

۱۴۔ پیش بارِ تیر شستِ چستِ تو
افگند در غار اژدرہا سپر

۱۵۔ در ثنایت شاعراں انداختہ
پیشِ من اے خسروِ والا سپر

۱۶۔ ذوقی از عونِ تو دارد تیغ تیز
کی فرو اندازد از اعدا سپر

۱۷۔ تاکہ ہر اختر بیندازد بچرخ
(ق) از نہیب خنجرِ بیضا سپر

۱۸۔ باد آب از آتشِ صمصامِ تو
شحنۂ گردونِ گرداں را سپر

۱۰۔ یہ میرا ہی کہا ہوتا تو آپ سے گر یہ زمیں
تیغ کی ہو آپ کی گنبدِ خضرا سپر

۱۱۔ تیغ شہ اک آگ ہے جس کی ہے تابش عجیب
اس سے پگھل جاتی ہے جملہ موم آسا سپر

۱۲۔ خوف سے اس کے ہے شیر پانی پانی دشت میں
ڈال دیا عجز سے دیکھئے شاہا سپر

۱۳۔ چرخ زرِ ناب سے نقش بناتا ہے یہ
مہر نہیں ہے یہ ہے بہرِ تو شاہا سپر

۱۴۔ شست سے جب آپ کے اُڑ کے گیا ماز تیر
غار کے اژدر نے بھی رکھ دیا اپنا سپر

۱۵۔ شاعروں نے جب سُنی مجھ سے ثنا آپ کی
میرے آگے ڈال دی خسروِ والا سپر

۱۶۔ آپ کے الطاف سے تیغِ ذوقی تیز ہے
اس کے آگے ڈالتے ہیں سبھی اعدا سپر

۱۷۔ ڈالتے جب تک رہیں آسماں کے سب نجوم
خوف سے خورشید کے اس کے تہہ پا سپر

۱۸۔ آب پلٹے آپ کی آتشِ صمصام سے
مہر فلک جو کہ ہے خنجرِ بیضا سپر

قصیدہ ۳۵

در مدح امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

قصیدہ ۳۵

در مدح امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۱۔ اگر آں پری بچمن رود بمثالِ سروِ سہی چمان — نشود بنفشہ و یاسمن سپر افگن از تلفِ خزان

اگر وہ پری سرو سہی کی طرح خراماں چمن میں جائے — تو اس کے اثر سے خزاں کا اثر ایسا باطل ہو جائے کہ بنفشہ اور چنبیلی کبھی مضمحل ہوں

۲۔ چو ہیاد کاکلِ مشک وَش بختن ز روی خطاد ہد — سواد خُلّخ و چین رمد ز خجالت آہوی تیز راں

جب تیرے مشکیں کاکل کی یاد بھولے سے بھی ختن میں جاتی ہے — تو تیز رفتار ہرن شرم سے خلّخ اور چین کی طرف بھاگ جاتے ہیں

۳۔ زقدای پری بسہی بری ، ز رخان بلالہ آذری — ز سیاہ کاکلِ عنبری بفصونِ سنبلِ گلستاں

اے پری تیرا قد سرو سہی سے ملتا ہے اور تیرے رخسار سرخ لالہ سے — تیرے سیاہ عنبری کاکل گلستاں کے سنبل کی شاخوں کی مانند ہیں

۴۔ چو چمان روی بسوی چمن کہ بریزی آبِ و گُلِ و سمن — بمیانِ لالہ و یاسمن زنی آتش از رُخِ گلستاں

جب تو خراماں چمن میں جاتا ہے تاکہ گل و سمن کی آبرو ماند کردے — تو گلستاں میں لالہ و یاسمن کے درمیان آگ لگ جاتی ہے

۵۔ صنما بہجرِ تو ہر سحر بلبلانِ خشک و عیونِ تر — چو دما مہ شہِ نامور کنم از فراقِ الم فغاں

اے صنم تیرے ہجر میں ہر سحر کو خشک ہونٹ اور تر آنکھوں سے — غم سے اس طرح پُر شور فغاں کرتا ہوں گویا شہِ نامور کا طبل بجتا ہے

۶۔ شہِ نامور کہ بعہد او ستم آب چشم خمول شد — عَلَمِ مُطرّزِ معدلت زدہ سر بجبہۂ اختراں

وہ شہِ نامور کہ جس کے عہد میں ستم گمنامی کی آنکھوں کا پانی ہو گیا — عدل سے آراستہ علم نے ستاروں کی پیشانی سے اپنا سر نکالا

۷۔ ز صہیلِ اسپِ گُشتسپِ او بفلک ملک زعرق سمک — ز خرام آذرِ خنجرش شدہ نعت شعلہ آسماں

اس کے جولاں گھوڑے کی ہنہناہٹ آسمان میں فرشتے پسینے پسینے ایسا فرار ہو رہے ہیں جیسے مچھلی پانی میں)۔ اس کے خنجر کی آگ کی برق رفتاری سورج کر رہی نیل ہے

۸۔ ز ملوعِ تیغِ منورش ز شموعِ شمعۂ خنجرش — ظلمِ ضلالتِ غم فزا بہ نشیبِ غارِ عدم نہاں

اس کے روشن تیغ کی چمک سے اور اس کے خنجر کی روشنی کی ہنسی سے — غم افزا گمراہی کا ظلم عدم کے غار کی پستی میں نہاں ہو گیا

۹۔ نلد اُغِ تیز بداغِ او اثری مقارنِ بحر شد — بدر آمد از دہنِ صدف ہمگی بجائے گہر زباں

اس کے داغ کی تیز جھجھک سے سمندر میں یہ اثر پیدا ہوا — کہ سیپ کے منہ سے موتی کی شکل میں اس کی ساری زباں نکل پڑی

۱۰۔ ز طراقِ سوطِ عذاب او شدہ آبِ رو ماہ و خور — بفزودہ زلزلہ در فلک ز شمولِ ہیبت بیکراں

اس کے عذاب کے کوڑے کی آواز سے چاند اور سورج کا پتہ پانی ہو گیا۔ اس کی بیکراں ہیبت ... میں زلزلہ پیدا ہو گیا

۱۱۔ نگر آں شعاعِ تبر بہر لکدی بقاف و حرازند — کہ مسلم لوثیا شکند ز صدمہ در آں زماں

اس کے جسم پر اس کے تبر کی شعاع کو دیکھ کر وہ قاف و حرا پر پانی کرتی ... اور لوثیا کی کمر کو صدمہ سے توڑ دیتی ہے

۱۲۔ چو شکی ابرد لعدوی شل بدر بیدا زو جگرِ زحل — بگداخت سرب شہ حمل ز شرار ترس طرانِ آن

جب اپنے مفلوج دشمن کو تلوار کی نوک چھوئی تو اس سے زحل کا جگر پھٹ گیا۔ اور اس کی آواز کے خوف کی چنگاری سے سورج کا سینہ پگھل گیا

۱۳۔ مہ یا کمر شہ نامور کہ ز شیرِ ترلبرِ تبہ — برد آبِ رخ، شکند کمر چو شود بسوی جم بدواں

وہ شہِ نامور اپنے تیر کے سر سے شیرِ تر کو بے آبرو کر دیتا ہے اور اس کی کمر کو توڑ دیتا ہے جب وہ جنگل کی طرف ...

۱۴۔ ز صداع و ستم و ستم نشود قرین کسی الم — کہ ز دستِ معدلت و کرم ہمہ را کشیدہ سوی اماں

عذاب اور خوف کے درد سر غم کسی کے پاس نہیں پھٹکتا عدل و کرم کے ہاتھ سے اس نے سب کو اماں میں لے لیا ہے

۱۵۔ چو ہمای تیر ہوا گرا پرد از نشیمنِ شست او — فلکش ز کرگس خویشتن گلند بہ پیش رخ استخواں

جب ہوا کی طرف مائل اس کے تیر کا ہما اس کی شست سے نکل کر اڑتا ہے۔ تو آسمان اپنے کرگس کو اس کے رخ کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ ہما اس کی ہڈی کو غذا کے طور پر استعمال کرے۔

۱۶۔ تف اشتعالِ حسام تو بگرفتہ چرخِ برین زند — ز زمیں بجای گیاہ دمد ہمہ شعلہ و قبس و دخاں

تیرے اشتعال کا تف آسمان کی چھت پر پڑتا ہے۔ زمین سے بجائے گھاس شعلہ، آگ اور دھواں اگتے ہیں

۱۷۔ اگر ابر چوں کفِ او بدی، ز گہر فشانی از فرش — بدر آمدی دُررِ غرر بمثالِ لعلِ ثمین ز کاں

اگر بادل اس کی ہتھیلی کی طرح ہوتا تو اس کے اندر کی گہر افشانی سے روشن موتی باہر نکلتے جو مثل کان کے قیمتی لعل کی طرح ہوتے

۱۸۔ ہمہ دانہ ہای نجوم را کہ بسوزد از تفِ تیغِ او — پی چیدنش ز سر دستِ خور ببرد عطارد آسماں

تمام ستارے جو اس کے تیغ کے تف سے جل جاتے ہیں تو آسمان کا عطارد سورج کے ہاتھ سے روشنائی کے لئے اٹھا لیتا ہے

۱۹۔ ملکا نوئی فلک سما عملا قمرت فرس ہمرت سما — عرقیکہ ریختہ اسپ تو مطر سحب شد از وعیاں

اے بادشاہ تو ہی آسمان کی طرح بلند ہے، چاند تیرا گھوڑا ہے اور آسمان تیر گزرگاہ۔ تیرے گھوڑے سے جو پسینہ نکلتا ہے اسی سے ابر بالا ظاہر ہوتا ہے

۲۰۔ ز سہامِ شست تو آسماں شدہ خستہ خوانِ شفق فلک — زدہ موج و ماہ بدستِ خود بگرفتہ ماہی حوت از آں

آسمان تیرے شست کے تیروں سے خستہ ہو گیا اور سورج کے خون سے جو موجیں پیدا ہوئیں اور چاند نے اپنے ہاتھ میں حوت مچھلی کو لے لیا (شفق اور ہلال کی طرف اشارہ ہے)

۲۱۔ طعنی ست صارم معرفت پدر آورید ز فرق عرق — قبسی ست خنجر تحرقت زده از دہان بیان زبان

تیری غرق کرنے والی تلوار ایک سمندر ہے جس نے سورج سے پسینہ نکالیا۔ تیرا جلانے والا خنجر ایک شعلہ ہے جو بیان کے منہ سے زبان نکالتا ہے

۲۲۔ بریاض مدحِ تو خسروا چو ہزار سرکنم زمزمہ

اے بادشاہ تیری مدح کے باغ میں بلبل کی طرح نغمہ سرائی کرتا ہوں یا میں ہزار نغمہ سرائی کردوں

۲۳۔ شغب دمامۂ فخر من چو لوای جیش کمال شد

میرے فخر کے طبل کی آواز جب کمال کے لشکر کا جھنڈا بنی۔

۲۴۔ دلِ من سحاب و صدف زبان سخن است گوہر از ہر شش

میرا دل بادل ہے اور زبان صدف ہے اور شعر اس کا روشن موتی ہے۔

۲۵۔ تو شہی و بندۂ تو منم، ز رخ من ز لطف تو چون عنم

آپ بادشاہ ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں آپ کے لطف و کرم سے مجھے سرخروئی حاصل ہے۔

۲۶۔ سر ذوقی از قدم تو شد کلہ مہ افسر شاہ چین

ذوقی کا سر آپ کے قدم سے چاند کا کلاہ اور شاہ چین کا تاج بن گیا۔

سر گنج ابر براعتم شدہ عود مجمرِ امتحان

میرے براعت استہلال کے بادل کا خزانہ امتحان کی بھٹی میں عود کی طرح جلتا ہے۔

لبِ میر خسرو دہلوی شدہ پُر ز شکر اصفہان

تو امیر خسرو دہلوی کے لب اصفہانی نغمہ کی شیرینی سے پُر ہو گئے۔

چو فراہم آیدم ایں گہر بہ نثارت آورمش در آن

جب سخن کے موتی فراہم ہو جاتے ہیں تو میں فوراً آپ پر نثار کرنے کے لئے لاتا ہوں۔

ز تو آب یافتہ گلشنم چو ز چشمۂ سحر آسمان

میرے گلشن کو آپ سے اسی طرح رونق حاصل ہے جیسے سورج سے آسمان کو

نعم آنکہ خاک تو شد شہا، بفلک زند سر افتران

ہاں اے شاہ جو آپ کے قدم کی خاک بن گیا اس کا سر آسمان کی طرح بلند ہو گیا۔

لغات و حواشی

قصیدہ ۳۴

رامی: نیزہ زن — تحفۂ گردوں: سورج

۲۱۔ طغمی ست صارم معرفت بیدرآور ید زخود عرق — فبسی ست خنجر محرقت زدہ از دہان بیان زبان

تیری عرفی کرنے والی تلوار ایک سمند ہے جس نے سورج جیسے سینہ نکالیا۔ تیرا جلانے والا خنجر ایک شعلہ ہے جو نیام کے منہ سے زبان نکالتا ہے

۲۲۔ بریاضِ مدحِ تو خسروا چو ہزار سر دیہی زنم

اے بادشاہ تیری مدح کے باغ میں بلبل کی طرح نغمہ سرائی

کرتا ہوں یا میں ہزار نغمہ سرائی کردں

۲۳ شغب دمامہٗ فخر من چو لوای جیش کمال شد

میرے فخر کے طبل کی آواز جب کمال کے لشکر کا

جھنڈا بنی۔

۲۴۔ دلِ من سحاب و صدف زبان سخن است گوہرا تش ہرش

میرا دل بادل ہے اور زبان صدف ہے اور شعر اس

کا روشن موتی ہے۔

۲۵۔ تو شہی و بندہٗ تو منم، ورخ من ز لطف تو چون عنم

آپ بادشاہ ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں آپ کے

لطف و کرم سے مجھے سرخروئی حاصل ہے۔

۲۶۔ سر ذوقی از قدم تو شد کلہ مہ افسر شاہ چین

ذوقی کا سر آپ کے قدم سے چاند کا کلا، اور شاہ

چین کا تاج بن گیا۔

سرِ گنج ابر براعتم شدہ عود مجمرِ امتحاں

میرے براعت استہلال کے بادل کا خزانہ امتحان کی

بھٹی میں عود کی طرح جلتا ہے۔

لبِ میر خسرو دہلوی شدہ پُر ز شکرِ اصفہاں

تو امیر خسرو دہلوی کے لب اصفہانی نغمہ کی

شیرینی سے پُر ہو گئے۔

چو فراہم آیدم ایں گہر بہ نثارت آورمش درآں

جب سخن کے موتی فراہم ہو جاتے ہیں تو میں فوراً

آپ پر نثار کرنے کے لئے لاتا ہوں۔

ز تو آب یافتہ گلشنم چو ز چشمہٗ سحر آسماں

میرے گلشن کو آپ سے اسی طرح رونق حاصل ہے

جیسے سورج سے آسمان کو

نعم آنکہ خاک تو شد شہا، بفلک زند سرِ اقتراں

ہاں اے شاہ جو آپ کے قدم کی خاک بن گیا اس کا

سر آسمان کی طرح بلند ہو گیا۔

لغات و حواشی

قصیدہ ۳۴

ردیف: نیرزن — تحفۂ گردوں: سورج

قصیدہ ۳۵

گشسپ = جوان

لُداغ = چبھن یا تیز کانٹا

شُکلی = تلوار یا چاقو کی نوک

کُرَیج، کُریج = چھت

تبش = آگ

اَذفر = بغل

دماعہ = طبل

طراق = ٹوٹنے کی آواز
چٹاخ پٹاخ

سَرِیب = سینہ

شل = دست و پا فلج زدہ

شُموق = بلند ہونا

شُموغ = ہنسی کرنا

طَغَم = سمندر

عَنَم = حنائی، سُرخ رنگ کا

شعر ۱۵ =

مشہور ہے کہ ہما کی خوراک ہڈی ہے
اس میں صنعت مراعاۃ النظیر ظاہر ہے

شعر ۱۷ =

اس میں حسنِ تعلیل ہے۔ سورج رات کی
سیاہی کو لے جاتا ہے تاکہ عطارد جو منشیِ فلک

ہے اس کو روشنائی کے طور پر استعمال کرے رات کو
تارے جو روشن نظر آتے ہیں وہ اس وجہ سے ہے کہ
تفِ تیغ اس کو جلا رہے ہیں۔

شعر ۲۱ =

ہزار بمعنی بلبل اور عدد بھی ہے
سروسہی ایک راگ کا نام بھی ہے
اس شعر میں ایہام مرشح ہے

شعر ۲۲ =

اصفہان ایک نغمہ کا نام ہے اور
شہر اصفہان کی تسکر بھی مشہور تھی

شعر ۲۳ =

در آن بمعنی ایک آن میں یعنی فوراً

زندگی کی عظیم حقیقت

از: مولوی محمد علی خان غوری لطیفی
مُدرس دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور
منمن پلی (آندھرا)

زندگی کی عظیم اور سچی حقیقت موت ہے جس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا جو بھی دنیا میں آیا اُسے موت کا مزہ چکھنا ہی ہے ارشاد خداوندی ہے کہ کُلِّ نفس ذائقۃ الموت ہر نفس کو موت مقرر ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ ہم کسی طرح اس سے بچ نہیں سکتے خواہ اس کیلئے کیسے ہی حفاظتی تدابیر کیوں نہ کیے ہوں قرآن کا ارشاد ہے این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ ط

جہاں کہیں تم ہوگے موت تم کو آ پکڑیگی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں

اور یہ وہ چیز ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں اسی وقت آپہنچتی ہے جو اس کا مقررہ وقت ہوتا ہے نہ اس سے ایک لمحہ قبل آتی ہے اور نہ ایک لمحہ بعد آتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون: ترجمہ جب انکا وعدہ آئیگا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں۔ (یعنی وقت مقررہ پر موت آپہنچتی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت سے متعلق بہت ساری حدیثیں کہی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ کیجئے۔

عن انسٍ قالَ خطَّ النبیُّ صلی اللہ عَلیہِ وَسلَّم خُطوطًا فقالَ ھٰذا الاَملُ وَھٰذا اَجلُہٗ فبَینَما ھُوَ کذٰالِکَ اِذا جاءَہُ الخطُّ الاقربُ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچے (یعنی

ایک مربع بنایا اور ایک خط مربع کے درمیان مربع سے باہر نکلا ہوا کھینچا اور فرمایا یہ خط (جو مربع سے باہر نکلا ہوا ہے) انسان کی آرزو ہے اور یہ خط (یعنی مربع) انسان کی موت ہے پس انسان اسی طرح رہتا ہے کہ اچانک اس کو موت آجاتی ہے (یعنی وہ موت کو دور تر سمجھتا ہے اور موت کا خط قریب آجاتا ہے اور وہ آخر مر جاتا ہے۔ (بخاری)

عن عبد اللہ بن عمرو قال مرّبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وانا وامّی نطیّن شیئاً فقال ما ھذا یاعبد اللہ قلت شیئ نصلحہٗ قال الامر اسرع من ذالک رواہ احمد والترمذی وقال ھذا حدیث غریب

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ میں اور میری ماں مٹی سے کچھ مرمت یا درستی کر رہے تھے آپ نے پوچھا عبد اللہ یہ کیا ہے۔؟ (یعنی یہ کیا کر رہے ہو) میں نے عرض کیا میں چیز کو درست کر رہا ہوں۔؟ آپ نے فرمایا موت اس سے بھی جلدی آنے والی ہے؟ یعنی اس گھر کے منہدم ہونے سے بھی زیادہ جلدی آنے والی ہے) ترمذی یہ حدیث غریب ہے)

عن انس ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال ھذا اجلہٗ ووضع یدہٗ عند قفاہٗ ثمّ بسط فقال وثمّ املہٗ رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ آدمی ہے اور یہ اس کی موت یہ کہہ کر آپ نے اپنا ہاتھ گدی کے قریب رکھا (یعنی موت اتنی قریب ہے) پھر ہاتھ کو پھیلایا اور (گدی سے دور لے گئے اور) فرمایا اس جگہ انسان کی آرزو ہے (یعنی موت قریب ہے اور انسان کی آرزو دراز (ترمذی)

عن ابن عبّاس ان رسول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کان یھریق الماء فیتیمّم بالتّرب فاقول یا رسول اللہ انّ الماء منک قریب یقول ما یدرینی لعلّی لا ابلغہٗ رواہ من شرح السنّۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پیشاب کرتے اور مٹی سے تیمم فرما لیتے میں عرض کرتا یا رسول اللہ! پانی قریب ہے؟ آپ فرماتے کیا خبر ہے کہ میں پانی تک پہنچ سکوں (یعنی پانی تک پہنچنے سے پہلے موت آجائے (شرح السنہ کتاب الوفاء)

عَنْ اَبِی سعید ن الخُدرِیّ اِنّ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غرز عودًا بین یَدیْہِ وَاٰخرَ الیٰ جنبہٖ وَاٰخرَ اَبعَدَ فقالَ اَتدرُونَ ما ھٰذا قَالُوا اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ھٰذَ الانسانُ وھٰذا الاَجَلُ اُراہُ قال وھٰذا الاَمَلُ فیتعاطے الاَمَلَ فلحقہ الاَجلُ دُونَ الاَمَلِ (رواہ شرح السنہ)

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے ایک لکڑی زمین میں گاڑی پھر ایک لکڑی اس لکڑی کے پہلو میں، اور ایک لکڑی ان سے بہت دور نصب کی، اور پھر فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ لکڑی (یعنی پہلی لکڑی) انسان ہے

اور یہ لکڑی (دوسری جو اس کے پہلو میں ہے) موت ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تیسری لکڑی کی نسبت میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ فرمایا یہ امید ہے انسان امیدوں اور آرزوؤں میں گرفتار رہتا ہے کہ موت آرزوؤں کے ختم ہونے سے پہلے آجاتی ہے۔ (شرح السنۃ)

موت سے متعلق حضرت غوث پاک کے عبرت و نصیحت سے بھرپور ارشادات ملاحظہ ہو:

فکم من کفن مغسول
وصاحبہ فی السوق مشغول

بہت سے لوگوں کے کفن تیار ہو چکے ہیں مگر کفن پہننے والے ابھی تک بازاروں کی خرید و فروخت میں لگے ہوئے ہیں اور موت سے غافل ہیں۔

وکم من قبر محفور
وصاحبہ بالسرور مغرور

بہت سے لوگوں کی قبریں کھد کر تیار ہو چکی ہیں مگر ان قبروں میں دفن ہونے والے خوشیاں مناتے پھر رہے ہیں،

وکم من فم ضاحك
وھو عن قریب ھالك

بہت سے لوگ اس وقت خوشیاں مناتے

رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بسنے والے
بہت ہی جلد ہلاک ہو جانے والے ہیں۔
وکم من منزل تکمل بناؤہ
وصاحبہ قد آزف فناؤہ
بہت سے محل اور مکان ابھی ابھی بن
کر تیار ہوئے تھے کہ یکایک مکان کے
مالک کی موت کا وقت آگیا۔
وکم من عبد یرجو الثواب
فیبد ولہ العقاب
بہت سے لوگ ثواب کی امید رکھتے
ہیں مگر ان کے سامنے عذاب یعنی موت آ
پہنچی ہے اس وجہ سے کہ یہ لوگ عمل بُرے
کرتے اور امید اچھی رکھتے تھے اور ان کی امید
غلط ہے،
وکم من عبد یرجو الجنان
فیبد ولہ النیران!!
بہت سے لوگ امید رکھتے ہیں جنت
کی جگہ۔ وہ دوزخ جاتے ہیں۔
وکم من عبد یرجو الخطا
فیبد ولہ البلاء
بہت سے لوگ انعام کی امید رکھتے
ہیں مگر وہ سخت بلا میں گرفتار ہوتے ہیں۔
وکم من عبد یرجو الوصل

فیبد ولہ الفصل
بہت سے لوگ وصال کی امید
رکھتے ہیں مگر ان کو ہمیشہ جدائی نصیب
ہوتی ہے۔
وکم من عبد یرجو الملک
فیبد ولہ الهلک!
بہت سے لوگ ملک فتح کرنے کی
امید رکھتے ہیں مگر وہ ہلاک کئے جاتے ہیں
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فلا
تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم
باللہ الغرور ترجمہ تو ہرگز تمہیں اللہ
کے حکم پر دھوکہ نہ دے وہ بڑا فریبی (یعنی
اے لوگو دنیا کے دھوکے میں آکر خدا کی
یاد سے غافل نہ ہونا موت کسی کو نہ چھوڑے
گی امیر ہو یا فقیر بادشاہ ہو یا گدا
فاسق ہو یا خدا ترس۔
علامہ اقبال نے کیا ہی سچ کہا ہے ؎
موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے
علامہ اقبال

حاصل کلام موت کی یاد اور اس کی جانب
ذہن و قلب کی توجہ کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے
کہ انسان فسق و فجور ظلم و زیادتی شر

شر و فساد اور فتنہ و خونریزی سے بچنے لگتا ہے اور نیکی و عبادات، صلہ رحمی احسان و سلوک کی جانب مائل اور متوجہ رہتا ہے اور یہی ایک ایسی چیز ہے جس کا مطالبہ اسلام اپنے متبعین سے کر رہا ہے

اقبال نے موت کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

قرآنِ پاک اور اس کی تدوین و تحفظ

از:
حافظ عبداللہ خان مجاہد
باپیلہ
متعلم زمرہ سابعہ

(دوسری قسط)

پھر حضورؐ نے تین راتوں میں صحابہ کرام کو سنایا حتی کہ مسجد نبوی میں اندر باہر تِل رکھنے کی جگہ نہ رہی (ابوداؤد) صفحہ ۳۷۲

حضورؐ کے وصالِ مبارک کے وقت حفاظ قرآن کی ایک اچھی خاصی بڑی جماعت موجود تھی جن کو پورا قرآن شریف الحمد سے والناس تک حِفظ تھا اور تمام صحابہ کرام کو قرآنِ شریف کا اکثر و بیشتر حصہ زبانی یاد تھا اور تمام کا تمام قرآنِ شریف متفرق چیزوں میں تحریر تھا لیکن اس کے تمام اجزاء ایک مدون شکل میں موجود نہیں تھے۔

عہدِ صدیقی میں ارتداد کا سیلاب اُمڈ آیا تو اس کو فرو کرنے کے لئے صحابہ کو خونریز معرکوں سے دوچار ہونا پڑا، جس کے نتیجہ میں حفاظ قرآن کی ایک کثیر تعداد شہید ہوگئی اور صاحبانِ امر کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا، کہ صحابہ کے فوت ہو جانے سے اُن اُن کے پاس قرآن کا جو حصہ موجود ہے کہیں ضائع نہ ہو جائے کیونکہ ابھی تک قرآن ایک مصحف کی شکل میں مدون نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق کو رائے دی کہ جو کچھ قرآن کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی تھی ان سب کو باہم ملا کر ایک ہی مجموعہ تیار کرلیا جائے اس پر حضرت ابوبکرؓ نے تدوین قرآن کا کام شروع کیا اور یہ ذمہ داری حضرت زید بن ثابت کو سونپی، کیونکہ یہی بزرگ ان چالیس کاتبان وحی میں غیر معمولی طور پر مشہور تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کی کتابت کی تھی، حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کے سارے مجموعوں کو حاصل کرلیا اور ان کا باہم مقابلہ کیا اور مختلف حفاظ کے حفظ سے بھی ان مجموعوں کا مقابلہ کیا اور اعلان عام کیا گیا کہ جس شخص کے نزدیک بھی قرآن کریم کا کوئی حصہ ہو وہ لیکر آئے اور اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص بھی کوئی آیت یا قرآن کا کچھ حصہ پیش کرے وہ اس پر مزید دو گواہوں کی شہادت بھی دے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے زمانے میں قلمبند کیا تھا، اس طرح ایک ایک پرزہ، ایک ایک ٹھیکری، جس پر قرآن کی ایک ایک آیت بھی لکھی

گئی تھی، جمع کئے گئے اور تدوین کا یہ نازک اور انتہائی اہم کام حضرت ابوبکرؓ کی سرپرستی اور زید رضؓ کی کارکردگی میں، تمام مہاجرین و انصار اور سارے مسلمانوں کے علم اور ان کی حاضری میں انجام دیا گیا۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن کے حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا اور مفتوحہ ممالک میں قرآن کریم کا درس جاری کیا، معلموں اور قاریوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور خانہ بدوش بدویوں میں قرآن کی جبری تعلیم جاری کی، پھر ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر کر ایک ایک شخص کا امتحان لے اور جس شخص کو قرآن کریم کی کوئی آیت یاد نہ ہو اس کو سزا دے اور حضرت عمرؓ صحابہؓ کرام سے پانچ بزرگ حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوالدرداء حضرت ابوایوب، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو طلب کیا اور کہا کہ آپ حضرات ملک شام جائیں اور وہاں مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں موخرالذکر دو بزرگوں نے اپنی بیماری اور ضعف کی وجہ سے معذرت

چاہی، باقی تین اصحاب نے خوشی سے منظوری دیدی، یہ لوگ پہلے حمص گئے، وہاں قرآن کی تعلیم جاری ہو گئی، حضرت عبادہؓ نے وہیں مستقل قیام کیا، اور حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کو اور حضرت معاذؓ بیت المقدس کو روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اشاعت قرآن کیلئے اور بھی بہت سی تدبیریں اختیار کیں، عمال کو یہ لکھ کر بھیجا کہ جو لوگ قرآن شریف سیکھیں ان کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کردی جائیں۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا، محض حفاظوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی۔

حضرت عمرؓ نے مختلف شہروں کے فوجی افسروں کو یہ خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کیلئے جابجا بھیج سکوں، تو ابن ابی وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ قرآن مجید موجود ہیں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں قرآن کی تلاوت کے لب ولہجہ اور قرأت میں الفاظ وحروف کی صحیح ادائیگی اور تلفظ میں فرق کا ظہور ہوا، کیونکہ مختلف ممالک اور قبائل کے افراد اسلام میں داخل ہونے لگے، جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی علاوہ ازیں خود اہل عرب میں بھی لب لہجہ کا اختلاف کثرت سے پایا جاتا تھا اور ایسی فضا پیدا ہونے لگی کہ ہر ایک اپنے تلفظ کو صحیح اور دوسرے کے طریقۂ ادا کو خطا خیال کرنے لگا، جس کی وجہ سے یہ خدشہ محسوس کیا گیا کہ کہیں رفتہ رفتہ یہ چیز بھیانک فتنہ کی شکل اختیار نہ کر لے اور کہیں قرآن کریم کی حالت بھی توریت انجیل جیسی نہ ہو جائے چنانچہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کی تحریک پر حضرت عثمانؓ نے تمام مسلمانوں کو ان کے معروف اور متواتر اور ثابت قرأتوں پر جمع کرنے کیلئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول چلی آرہی تھیں، اور ان کے سوا جس قدر قرأتیں پیدا ہو گئی تھیں ان کو ختم کرنے کیلئے جمع قرآن کا کام شروع کیا اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ مصحف صدیقی کی متعدد نقلیں کروائیں اور ان نسخوں کو مختلف شہروں اور بستیوں میں روانہ کیا اور ان کے ساتھ حفاظ

اور قراء کو بھی بھیجا تاکہ یہ حضرات لوگوں کو اسی مصحف کے مطابق قرآن کی تعلیم دیں اس کے علاوہ حضرت عثمان رض نے دیگر مصاحف کی اشاعت ممنوع قرار دیدی تاکہ قرآنِ کریم کی کتابت و نوشت اور طباعت میں وحدت و یگانت کا خوبصورت رنگ قائم رہ سکے۔ غرض لفظ و قرأت کے اختلاف سے تحریف کی جو راہیں کھل سکتی تھیں وہ ان کی تدابیر کے ذریعے بند ہو گئیں۔

قرآن کریم سے متعلق صحابۂ کرام رض کی یہ وہ کوششیں اور محنتیں ہیں جن کی وجہ سے قرآن تحریف کے ہر زاویے، حاشیے قرینے اور جہت سے محفوظ رہا اور انہوں نے اس امانت (قرآن) کو اسی شکل میں اپنے بعد کے مسلمانوں کے حوالے کیا، جس شکل میں انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔

قرآن کیونکر معجزہ ہے؟

اس موضوع پر علماء نے کئی کتابیں لکھیں ہیں جن میں علامہ خطابی، علامہ رمانی علامہ ملکانی، قاضی ابوبکر، علامہ باقلانی وغیرھم کی کتابیں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں قرآن پاک کے معجزہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی فصاحت، اس کی بلاغت، اس کی نظم و ترتیب اور اس کا خصوصی طرز بیان اور غیب کی خبریں اور ہدایت کی تاثیر بےمثل و بےمثال ہے۔ سابق انبیاء کے معجزات اور اس میں یہی فرق ہے کہ اور نبیوں کے معجزات ایک مخصوص زمانہ تک کیلئے تھے جو زمانہ کے خاتمہ پر ختم ہو گئے لیکن قرآن کا معجزہ دائمی اور ابدی ہے پھر آن پڑھوں تک کا اس کو زبانی یاد کرنا لاکھوں کروڑوں سینوں میں اس کا محفوظ ہونا اور ایسا بلیغ ہونا کہ بہتر سے بہتر کلام حتیٰ کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلیغ احادیث کے کسی ایک ٹکڑے میں ملا کر دیکھیں تو قرآن کا ٹکڑا ظاہر ہو جائے۔ یہ خصوصیت کبھی سوائے قرآنِ حکیم کے کہیں نہ ملیگی قرآنِ کریم نے جس قدر دعوے کئے وہ سب کے سب سچے ثابت ہوئے مثال کے طور پر اسی کو لیجئے کہ اس نے اپنی حفاظت کا دعویٰ کیا تو اس میں ایک شوشہ اور ایک نکتہ کا بھی تغیر واقع

نہ ہو سکا قرآن کا یہ سب سے زیادہ کھلا ہوا معجزہ ہے۔

قرآن مجید کی صحت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سیکڑوں ممالک جن کی مادری زبانیں مختلف ہیں پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن کسی جگہ بھی قرآن کی اصل عبارت میں ذرہ برابر بھی تغیر ظاہر نہیں ہوا یہ خصوصیت دنیا میں صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے اگر اسے قرآن مجید کا زندہ اور ناقابلِ تسخیر معجزہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک اور معجزات کی برکت سے ان تمام پڑھنے والوں کو آفات ارض وسماوی سے محفوظ رکھے اور اپنے حبیب کی اُمت پر رحمت کی بارش نازل فرمائیں۔

آمین

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از:
پی۔ محی الدین پاشاہ
پی کوتہ کوٹہ ضلع چتور
متعلم
زمرۂ سادسہ

اخلاص اور اس کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانی دنیا کو اخلاقِ حسنہ کی جو تعلیم و ہدایت ملی اس کی تکمیل اخلاص و للٰہیت سے ہوتی ہے

اخلاص و للٰہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق پروردگار ہم سے راضی ہو جائے اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہم اس کی ناراضی اور غیض و غضب سے محفوظ رہیں تمام اچھے کام اچھے اعمال و اخلاق کی روح اور جان بھی اخلاص و للٰہیت ہے اگر ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام و نمود اور کوئی دنیاوی مقصد ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی قدر و قیمت نہیں اور ان پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں

چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما الاعمال بالنیات و انما لامرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت کے مطابق پھل ملتا ہے، جس نے اللہ ورسول کی طرف ہجرت کی اس کی یہ ہجرت محض خدا اور اس کے رسول کی رضا وخوشنودی کی خاطر تھی تو اس کی یہ ہجرت درحقیقت اللہ ورسول کی طرف ہوئی اور بلاشبہ وہ سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملیگا اور جس شخص نے کسی دنیاوی غرض کے تحت یا کسی عورت سے نکاح کرنے کیلئے ہجرت کی تو اسکی یہ ہجرت اللہ ورسول کیلئے نہ ہوگی لہذا اس کیلئے وہی چیز ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ تمام اعمال کی مقبولیت اور مردویت کا انحصار نیتوں پر ہے لہذا صالح عمل وہی ہوگا جو صالح نیت سے کیا گیا ہو اور جو عمل بظاہر صالح ہو لیکن کسی بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو تو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا بلکہ فاسد نیت کی وجہ سے مردود ہوگا۔

اس حدیث سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ صالح اعمال ہی میں صالح نیت کی ضرورت، برے اعمال میں اچھی نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ اعمال ہر حالت میں قبیح ہیں جنکو انجام دینا غضب الہٰی کو مول لینا ہے خواہ انکی انجام دہی میں نیک نیت کا دخل کیوں نہ ہو مثلاً کسی نے چوری اس نیت سے کی کہ یہ رقم غرباء میں تقسیم کرونگا تو نہ نیت قابل مستحسن ہے اور نہ یہ حرام فعل لائق تحسین ہے

قرآن پاک میں صدقات وخیرات کرنے والے دو قسم کے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک وہ لوگ جو محض اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے غریبوں مسکینوں اور حاجتمندوں کی مدد کرتے ہیں۔ ان دو قسموں کے آدمیوں کے ظاہری عمل میں تو کوئی فرق نہیں ہے لیکن عالم الغیب والشہادۃ کی نظروں میں فرق ہے اس لئے کہ ان کی نیتیں جدا گانہ ہیں، اور ان کے مطابق نتائج وثمرات بھی مختلف ہونگے چنانچہ ایک کا عمل خیر وبرکت کا ذریعہ بنا تو دوسرے کا عمل نقصان و خسران کا موجب قرار پایا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یومن باللہ والیوم الاخر فمثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا لا یقدرون علی شیئ مما کسبوا واللہ لا یھدی القوم الکفرین ط

جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے (ایسے لوگ) کچھ بھی نہ حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھائیگا۔

ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین (البقرہ)

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال رضائے الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کے عوض سے) ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیلے پر ہو اور اس پر زور کا بارش پڑا ہو پھر وہ دوگنا پھل لایا ہو

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے جس کی روایت ابوھریرہ نے کی ہے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین آدمیوں کے حق میں جہنم کا فیصلہ سنایا جائیگا سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا وہ جب حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اپنی نعمتیں جتائیگا اور یاد دلائے گا اس کو ساری نعمتیں یاد آجائیں گی۔ پھر اس سے کہا جائیگا کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا اور کیا عمل کیا عرض کریگا یا خداوند میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا جوئی میں جانِ عزیز تک قربان کردی۔

اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ تو جھوٹ بولتا ہے تو نے صرف اس لئے جہاد کیا تاکہ لوگ تجھے بہادر کہیں پھر حکم ہوگا کہ اس کے منہ کے (اوندھے) جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اس کے بعد عالم دین کی پیشی ہوگی۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جتلائیگا اور پوچھیگا کہ تو نے کیا اعمال کیا؟

وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کا علم سیکھا اور لوگوں کو سکھلایا اور میں نے یہ سب تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے علم کی تحصیل اور اس کی تبلیغ واشاعت

محض لوگوں میں عزت و شہرت حاصل کرنے کیلئے کی تھی پھر حکم ہوگا اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ اس کے بعد مالدار کی پیشی ہوگی اس سے بھی اس قسم کا سوال کیا جائیگا جو شہید اور عالم سے کیا گیا وہ عرض کریگا کہ خداوندا میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کے لئے اپنا مال خرچ نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو جھوٹا ہے تونے صرف اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ دنیا تجھکو سخی کہے دنیا میں تو تیری سخاوت کا خوب چرچا ہوگیا پھر حکم ہوگا کہ اسکو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے (مسلم)

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ اخلاص ہی ہمارے تمام اعمال صالحہ کی روح ہے اس کے بغیر ہمارا کوئی عمل اللہ کے پاس مقبول نہیں۔

اسلام کی تاریخ اہل اخلاص کے مخلصانہ اعمال سے بھرپور ہے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعمال صالحہ میں سے ایک عمل کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جہاد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک کافر سے مقابلہ ہوا حضرت علیؓ بڑے بہادر تھے اور کافر بھی بڑا طاقتور پہلوان تھا حضرت علیؓ نے کافر کو پچھاڑ دیا اور سینہ پر سوار ہوگئے۔ تلوار کھینچ کر اس کی گردن اڑانے والے ہی تھے کہ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ کافر کا تھوکنا ہی تھا کہ حضرت علیؓ اس کے سینے سے اتر کر الگ ہوگئے اور فرمایا ــــ "جاؤ اب تم کو قتل نہیں کرسکتا۔ اب تک تو میں دین کے لئے لڑ رہا تھا۔ اب اگر تمہیں قتل کرتا ہوں تو اس میں میرے غصہ کا جز بھی شامل ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بدلہ شمار ہو۔ تم نے میری توہین کی۔ میں اسکا بدلہ نہیں لینا چاہتا اپنے نفس کے لئے ایک آدمی کا خون بہانا بہادری نہیں بزدلی ہے"۔ آپ کی ان باتوں اور سلوک سے کافر بہت متاثر ہوا اور فوراً مسلمان ہوگیا۔

بزرگوں کی یہ انمول نصیحتیں ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں علم بے عمل ایک مصیبت و تکلیف ہے اور عمل بغیر اخلاص کے بیکار ہے۔ غوث پاک فرماتے ہیں قول بے عمل اور عمل بے اخلاص ناقابل قبول ہے اور اعمال صالحہ وہ ہیں جن پر لوگو

کی ثنا کی امید نہ رکھی جائے۔ اور اخلاص کی علامت یہ ہے کہ تم مخلوق کی تعریف اور خدمت کی طرف توجہ نہ دو۔ دین کی خدمت خالص اللہ کے لئے کرو ورنہ تمہارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ابوالحسن خرقانی فرماتے ہیں کہ جو کام بھی اللہ کے واسطے کرے وہ اخلاص ہے اور جو لوگوں کے واسطے کرے وہ ریا ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین